وما ارسلنك الا رحمة للعلمين

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اغیار کی نظر میں

مرتّبہ

بشیر احمد سیّد

ناشر

کتاب مرکز ○ بازار فاروق گنج، گوجرانوالہ

طابع ـــــ بشیر احمد سعید
مطبع ـــــ المکتبہ پریس ۵۰ شارع فاطمہ جناح لاہور
گرد پوش ـــــ اظہار سنز لاہور
تعداد ـــــ گیارہ سو ۱۱
قیمت ـــــ چھ ۶ روپے

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

حرفِ آغاز

زیرِ نظر کتاب ان مضامین، اقتباسات اور اشعار کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ جو غیر مسلم حضرات نے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے حضور نذر کیے۔ اگر کوئی غیر مسلم ہوتے ہوئے پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بارے میں ارادت و محبت کا اظہار کرتا ہے تو یہ اُن پر کوئی احسان نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو ثبوت ہے اس امر کا کہ دیکھنے والے کی نگاہ ٹھیک اور سمجھنے والے کا دل تعصب سے پاک ہے خورشیدِ عالمتاب کسی تعریف، دلیل اور ثبوت کا محتاج نہیں ہوتا، بلکہ

ع - مادحِ خورشید، مدّاحِ خود است

میں نے ان مضامین کو اس لیے ترتیب نہیں دیا کہ یہ کوئی نئی بات ہے۔ بلکہ اس لیے جمع کیا ہے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، اسلام اور تعلیماتِ اسلام کے بارے میں غیر مسلم کیا سوچتے سمجھتے اور لکھتے ہیں۔ بعض مقامات ایسے ہیں کہ خود ہمیں غیر مسلم حضرات کے مطالعہ کی گہرائی اور فہم کے خلوص پر تعجب ہوتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ یہی تعجب اس کتاب کی ترتیب و تسوید کا سبب ہے۔ ان تحریروں میں ممکن ہے۔ بعض مقامات ہمارے عقائد سے میل نہ کھاتے ہوں بہرکیف ہمیں غیر مسلم اصحاب کے جذبۂ شوق کو زیادہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔

اس انتخاب کو پڑھ کر، اگر قارئین کے دل میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سیرت

تعارف

جسٹس ایس۔ اے رحمٰن

رسولِ اکرمؐ کی سوانح حیات، ان کی شخصیت اور تعلیمات پر ہر زبان اور ہر ملک میں کتابیں موجود ہیں۔ آنحضرتؐ کی ذاتِ ستودہ صفات کی نمایاں خصوصیات ان کی تاریخیت ہے کیونکہ جو مواد ان کے نام لیواؤں نے ان کی نجی زندگی اور گھر سے باہر کی زندگی کے متعلق مہیا کر دیا ہے۔ وہ اپنی تفصیلات کے لحاظ سے بے مثل و بے نظیر ہے۔ مسلمانوں کی نظر میں وہ ختم المرسلین ہیں اور اس لیے گویا وہ عہدِ عتیق اور عہدِ جدید کی حدِ فاصل پر کھڑے ہیں۔ ان کی شخصیت اور ان کی تعلیمات کا اثر دنیا کے ایک عظیم خطے پر اب بھی موجود ہے اور انشاءاللہ رہتی دنیا تک قائم رہے گا بلکہ ان کی دعوتِ ربانی کو تسلیم کرنے والوں میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ پھر ان کی حیاتِ طیبہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی اور ہمارے لیے ہر شعبۂ زندگی کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ لہٰذا اس قدسی صفات شخصیت نے غیر مسلموں کو بھی اپنی دلکشی سے متاثر کیا ہے۔

زیرِ نظر کتاب میں جناب بشیر احمد سید صاحب نے بڑی محنت سے غیر مسلم اہلِ قلم حضرات کے جنابِ رسولِ مقبولؐ سے متعلق تاثرات کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ مجموعہ جامع و مانع حیثیت تو نہیں رکھتا۔ تاہم اس سے اکثر اہل الرائے غیر مسلموں کے اقوال کا احاطہ ہو گیا ہے۔ مجھے امید ہے کہ اہلِ دل حضرات اس کوشش کو بنظرِ استحسان دیکھیں گے اور فاضل مؤلف کے لیے جزائے خیر کی دعا فرمائیں گے

۲۵ گلبرگ لاہور ۲۷ مارچ ۷۲ء

دنیا میں سچا مذہب اور سچا رسول صرف وہی ہے جس کی سچائی، پاکبازی اور حق پرستی کے معترف نہ صرف اس کے پیرو ہوں؛ بلکہ اس مذہب کے مخالف بھی اُس کی صداقت کا اعتراف کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ــ کی ذاتِ اقدس نے غیر مذاہب کے رہنماؤں پر کس قدر گہرا اثر کیا ہے۔ اس کا اندازہ کتاب ہذا میں موجود غیر مسلم زعماء اور مسیحی علماء کی تحریروں سے بخوبی ہو سکتا ہے۔

مُرتّب

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مالک رام

قرآن میں جنّ و انس کی تخلیق کی غرض و غایت اور ان کا مقصدِ حیات یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور عبادت گزار بندے بنیں:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا
لِيَعْبُدُوْنِ (۵۱: ۵۶)

جب تخلیق کی علتِ غائی یہ ٹھہری، تو یہ کیونکر تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ خداوندِ کریم نے بندوں کے لیے ایک منزل تو مقرر کر دی، لیکن اس تک پہنچنے کے لیے کوئی راستہ نہیں بنایا اور کوئی اس رستے کا بتانے والا پیدا نہیں کیا۔ انھی دونوں شکوک کا ازالہ یوں کیا کہ فرمایا:

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳: ۱۹)

کہ ہم تک پہنچنے کا راستہ اسلام کہلاتا ہے اور مسلمان کون ہے:

اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ

الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ
وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ
يُوْقِنُوْنَ (۲: ۳-۴)

مسلمان وہ لوگ ہیں جو اَن دیکھے خدا پر ایمان لاتے ہیں اور اسی کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، اپنی مادی، ذہنی، اخلاقی اور روحانی۔ غرض ان تمام صلاحیتوں کو، جو خدا نے ان میں ودلیعت فرمائی ہیں، اس کی اور اس کے بندوں کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ صرف یہی نہیں، ان کا یہ بھی ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائے آفرینش سے مخلوق کی ہدایت کے لیے نبیؐ بھیجے اور ان پر اپنی وحی نازل کی۔ اس لیے وہ تمام گذشتہ نبیوں اور ان کی وحی کو بھی تسلیم کرتے ہیں۔ پھر انہیں اس کا بھی یقین ہے کہ ہم اس زندگی میں جن اعمالِ نیک و بد کے مرتکب ہو رہے ہیں، ایک نہ ایک دن ان کی جزا سزا بھی ہمیں ضرور ملے گی۔ یہی تعلیم ازل سے بنی نوعِ انسان کی طرف آتی رہی اور یہی وہ رستہ ہے، جو منزلِ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ اسی کا نام اسلام ہے۔

پھر صرف رستے ہی کی نشان دہی نہیں کی، بلکہ ایسے لوگ بھی پیدا کیے جو اس راہ کے ہر پیچ و خم سے واقف تھے، جو جانتے تھے کہ منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے کہاں کہاں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور ان سے بچاؤ کی صورت کیا ہے۔ راہِ راست پر چلانے والے یہ ہادی ہر قوم میں پیدا ہوئے،

لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۱۳: ۷)

انہوں نے لوگوں کو تعلیم و تلقین کی اور انہیں بتایا کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے؟ نیکی پر

عمل اور بدی سے اجتناب کی ہدایت کی۔ یہی لوگ خدا کے نبیؑ اور رسول تھے، جو خدا کی وحی و الہام کی روشنی میں مختلف قوموں کی رہنمائی کرتے رہے۔

ہرایک نبی اپنی قوم میں سب سے پہلے اپنی نبوت کی صداقت اور خدا کی ہدایت کی حقیقت پر ایمان لاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اوّل المسلمین ہوتا ہے۔ گویا نمونہ ہے اسلام اور اسلامی تعلیم اور اسلامی اعمال کا۔ دوسرے لوگ اس کا تتبع کرتے ہیں یہی گروہ اس کے پیرو اور اس کی امّت کہلاتے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ اسلام، مسلم، نبی، رسول، وحی، الہام وغیر ذالک، یہ سب الفاظ عربی زبان کے ہیں اور تمام ملکوں میں یہ اصطلاحیں جاری نہیں رہی ہوں گی، خواہ عربی اُم الالسنہ ہی کیوں نہ ہو۔ کسی نہ کسی مرحلے پر دنیا میں مختلف زبانیں رائج ہوگئیں اور پھر جس ملک یا قوم میں کوئی نبی آیا، اس کی وحی بھی اس قوم کی زبان ہی میں رہی ہو گی تاکہ وہ لوگوں کو راہِ ہدایت دکھا سکے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنَ الرَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۱۴:۴)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی صرف عربی میں نہیں ہو سکتی تھی۔ اس سے تو اس کی بعثت کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کی بات کسی کی سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر طالب علم استاد کی گفتگو سمجھ ہی نہ سکے، تو وہ تعلیم کیا حاصل کرے گا۔ حاصل کلام یہ کہ اگرچہ نبی مختلف اقوام میں آئے اور ان کی وحی کی زبان بھی الگ تھی، لیکن اس کا مفاد اور مقصد یکساں تھا۔

غرض اللہ تعالیٰ کی ہدایت تمام قوموں کی طرف آئی اور اس کا ذریعہ انبیاء ربانی تھے۔ جب منبعِ ہدایت ایک تھا اور ذریعۂ ہدایت ایک، تو یہ لازمی بات ہے کہ اس کے

نتیجے میں ہدایت یا دین بھی ایک ہی ہوتا اور دنیا کبھی گمراہ نہ ہوتی، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے باوجود قومیں راہِ راست سے بھٹک گئیں۔ انہوں نے طرح طرح کے معبود گھڑ لیے اور ان کی پوجا کرنے لگیں۔ ان معبودوں نے مختلف جگہوں پر مختلف شکلیں اختیار کیں۔ مثلاً ہندوستان اور عراقِ قدیم (بابل) میں یہ اجرامِ فلکی، سورج، چاند، تارے تھے بلکہ ان سے بھی گزر کر ہر قسم کے دیوی دیوتا بنا لیے گئے۔ زمین، پانی، آگ، بارش، بجلی، رعد ـــ غرض ہر ایک چیز کی دیوی تھی یا دیوتا۔ ان کی مورتیاں بنائی گئیں اور ان کے لیے خاص مندر تعمیر ہوئے، جہاں ان کی پوجا ہوتی تھی اور انہیں خوش رکھنے کے لیے چڑھاوے چڑھائے جاتے۔ چین اور جاپان میں متوفی بزرگوں کی پرستش بھی ہوتی تھی وعلیٰ نحو ذالک، ہر جگہ کا یہی حال تھا۔

لیکن اس راہ کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ متعدد قوموں نے ان انبیاء اللہ ہی کو معبود کا درجہ دے دیا، جو مخلوقِ خدا کو اپنے خالق اور رب کی طرف بلانے کے لیے آئے تھے۔ اپنے منصب کی رعایت سے ان کی مثالی زندگی میں تو شبہ ہو نہیں سکتا۔ تائید ایزدی سے وہ گناہ سے بھی معصوم تھے۔ بس یہی بات ان کے پیروؤں کی سمجھ میں نہ آئی انہوں نے خیال کیا کہ یہ لوگ ہماری طرح کے گوشت پوست کے معمولی انسان نہیں ہو سکتے ورنہ ان میں بھی وہی کمزوریاں ہوتیں، جن میں ہم سب مبتلا ہیں۔

انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور عبادت کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ جہاں تک ہو سکے، انسان اپنے آپ کو صفاتِ الٰہی کا مظہر بنائے۔ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے ماحول میں رہنے پر مجبور ہے اور مختلف اوقات میں اس ماحول کے مقتضیات بھی مختلف ہوں گے جو شخص کسی خاص حالت میں بطورِ ردِ عمل کسی صفتِ الٰہیہ

کا سب سے زیادہ مظاہرہ کرتا ہے، وہ اتنا ہی اپنے مقصدِ حیات میں کامیاب گردانا جائے گا:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً (۲: ۱۳۸)

انبیاء الٰہی سے اور کون موید من اللہ اور ان سے زیادہ اپنے قول وفعل پر کون قادر ہوگا۔ پس جب انہوں نے ہر ایک موقع پر عام انسانی سطح سے بلند ہو کر کلام کیا اور اس پر عمل کر کے دکھا دیا، تو ظاہر بین نظروں نے یہ تو نہ دیکھا کہ غیر معمولی عمل تائیدِ خداوندی کا نشان ہے، بلکہ اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ یہ شخص ہماری نوع کا نہیں! انسانی بھیس میں خود خدا نے جنم لے لیا ہے۔ بعضوں نے اسے ابن اللہ (یا بنت اللہ) بنا دیا۔ یہ چلن کسی ایک ملک یا قوم تک محدود نہیں رہا: اِلّا ماشاء اللہ دنیا کی اکثر قومیں اس گمراہی کا شکار ہوگئیں کہ انہوں نے کسی نہ کسی رنگ میں اپنے انبیاء کو ان کے اصل مقام سے زیادہ دے دیا اور انہیں خدائی صفات میں برابر کا شریک اور ندو مثل بنا دیا۔ ہندوستان کے اوتار اور دیوتا بھی اسی قبیل سے ہیں۔ عیسائیوں نے تو حضرت مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ہی بنا دیا اور وہ بھی اکلوتا۔

مراد یہ ہے کہ ایسی صورتِ حال اتنی مرتبہ پیش آچکی تھی کہ آئندہ بھی اس کے اعادے کا یقین کیا جا سکتا تھا۔ لہٰذا ضرورت اس بات کی تھی کہ اس امکان کا ہمیشہ کے لیے قلع قمع کر دیا جائے۔ چنانچہ اسلام نے اپنے کلمے میں اسی کا سدِ باب کیا ہے۔

مخالف اعتراض کرتا ہے کہ خود اسلامی کلمے میں شرک ہے! مثلاً ایک صاحب لکھتے ہیں۔

"جب حضرت محمد صاحب دنیا میں تھے، تو ان کی تعظیم وتکریم ہمارا عین فرض تھا، لیکن

آج مسلمانوں نے اپنے کلمے کے اندر محمدؐ صاحب کو بھی شامل کر رکھا ہے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں، تو اللہ حاضر و ناظر ہے، وہ ہماری بات سنتا ہے، لیکن جب ہم کہتے ہیں کہ محمدؐ صاحب ہمارے رسول ہیں اور اس جملے کو اللہ کے کلمہ کے ساتھ وابستہ کر دیتے ہیں، تو حضرت محمدؐ صاحب ہماری بات سنتے نہیں۔ اللہ کے تصور کے ساتھ محمدؐ صاحب کا بھی تصور اسی وقت ہمارے دل کے سامنے آجاتا ہے، پھر توحید کہاں رہی ؟" (مصابیح الاسلام" گنگا پرشاد اوپادھیائے، ص ۲۷)

یہ اعتراض بہت لوگوں نے کیا ہے۔ الفاظ بدلتے رہے ہیں، لیکن مفہوم سب کا یہی ہے کہ کلمے میں رسول کے نام کی شمولیت توحید کے منافی اور ایک نوع کا شرک ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے اور یہ قلت تدبر کا نتیجہ ہے۔ کلمہ خدا یا اس کے رسول کو سنانے کے لیے نہیں پڑھا جاتا، بلکہ یہ تو اپنے ایمان کا اعلان ہے: کلمہ جزوِ عبادت نہیں، بلکہ یہ صرف پڑھنے والے کی اعتقادی کیفیت اور جماعتی تعلق کی شہادت ہے۔ جب کوئی آدمی " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کہتا ہے، تو وہ اس بات کا اشتہار دے رہا ہے کہ میں آج سے خدا کے سوا کسی اور معبود کی عبادت نہیں کروں گا، یہاں تک کہ محمدؐ کی بھی نہیں، کیونکہ وہ بھی اس کے صرف رسول ہیں۔ —— نہ کہ معبود۔

یہ تو عین توحید پر ایمان اور ایقان کا اعلان ہے، اس میں شرک کہاں سے آگیا؟ اور اس کی ضرورت، جیسا کہ بیان ہو چکا، اس لیے پیش آئی کہ ماضی میں بارہا یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ امتوں نے مرورِ زمانہ کے ساتھ اپنے نبیوں ہی کو معبود بنا لیا تھا۔ حالانکہ نبی یہ کہتے ہی رہے کہ عبادت کے لائق صرف خدائے واحد کی ذات ہے، ہم بھی تمہاری ہی طرح کے انسان ہیں، تمہاری ہی طرح سے ماں باپ سے پیدا ہوئے اور تمہاری ہی طرح کھاتے پیتے،

گلی کوچوں میں چلتے اور پھرتے، کاروبار کرتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ہمیں خداوندِ تعالیٰ نے اپنی وحی سے نوازا ہے، ورنہ ہم بھی معمولی بشر ہیں: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰـہٌ وَّاحِدٌ (۱۸ : ۱۱۰)

پس اسلامی کلمے کا مقصد یہ تھا اور ہے کہ کہیں مسلمان بھی اُمم سابقہ کی طرح اپنے نبی کو معبود نہ بنا لیں۔ معاذاللہ۔ یہ گویا توحیدِ خالص کا اعلان ہے۔ اس کا پڑھنے والا عہد کرتا ہے کہ آج سے میں کسی غیراللہ کی عبادت نہیں کروں گا۔ وہ علی الاعلان شہادت دیتا ہے کہ خدا کے علاوہ دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی لائقِ عبادت نہیں اور محمدؐ اس کے رسول ہیں۔

وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ

مہاپُرش ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

پنڈت گوپال کرشن بی۔اے ایڈیٹر تجارت سماچار بمبئی

رِشی محمدؐ صاحب کی زندگی پر جب ہم وچار کرتے ہیں تو یہ بات صاف نظر آتی ہے کہ ایشور نے ان کو سنسار سدھار کے لیے بھیجا تھا (ان کے اندر وہ شکتی موجود تھی جو ایک گریٹ ریفارمر (مصلح اعظم) اور ایک مہاپرش (ہستی اعظم) میں ہونی چاہیئے۔)

آپؐ نے عرب کے چرواہوں کو جو ظلم و ستم کے عادی تھے۔ انسان کامل بنا دیا اور ان کے اندر رحم و کرم، حلم و تواضع پیدا کر دی۔ ان میں متر تا (مؤدت) اور پریم (محبت) کے جذبات پیدا کر دیئے۔ یہ لوگ جاہل اور وحشی تھے۔ پرنتو (مگر) چند ہی روز میں ان کو حکمرانوں کے اعلیٰ مرتبہ پر پہنچا دیا۔ وہ اپنے بھائیوں کا خون بہانا ایک معمولی بات سمجھتے تھے۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب کی تعلیم سے ایسے دیالو (رحم دل) ہو گئے کہ دنیا کی کھوئی ہوئی سلامتی اور اس کا امن، دوبارہ قائم ہوا اور خود بھی شانتی (امن) کے محافظ بن گئے۔

حضرت محمدؐ رحمدل بھی تھے اور سخت بھی۔ اگر غریب اور پریشان حال یتیم کو دیکھتے تو آپ کو رحم آجاتا۔ مگر ظالم اور امن کے دشمن کے مقابلہ پر وہ سختی سے کام لیتے۔ اس وقت آپؐ کے پاس ظالم کے لیے رحم نہ ہوتا۔

ایشور نے انؐ کو ہردے (قلب) کا پوتر (پاکیزہ) بنایا تھا۔ وہ بہت دیالو (رحمدل) تھے۔ پرنتو (مگر) انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔

وہؐ عرب کے فاتح اعظم تھے۔ مگر مفتوح اقوام کے لیے پیغام رحم وکرم تھے۔

جن لوگوں نے آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوں پر ظلم کیا تھا۔ اگر آپؐ چاہتے تو ان کو سولی پر چڑھوا دیتے، لیکن آپ نے ان کی ساری برائیاں معاف کر دیں اور ان سے انتقام نہیں لیا۔ یہ ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے۔ جس کی مجھے نظیر نہیں ملتی۔

آپؐ کے جیون چرتر (سیرت) میں یہ عجیب بات بھی نظر آتی ہے کہ امن اور شانتی کے دشمن کو آپؐ نے کبھی معاف نہیں کیا۔ مگر جو انؐ کا ذاتی دشمن ہوتا اس سے کبھی بدلہ نہیں لیا۔ مگر بدلہ لینے کو ناجائز بھی نہیں بتایا۔ کیونکہ ایسا کرنا نیچر (فطرت انسانی) کے خلاف تھا۔ مگر اپنی ذات کی حد تک وہؐ عفو و در گزر کے اصول کے پابند رہے۔ آپؐ کی رحمدلی اور کرم کی یہ کیفیت تھی کہ کوئی سخت سے سخت بات کہہ جاتا، تو بھی آپؐ بڑی شانتی (سکون) سے سن لیتے۔ آپؐ کے جیون میں ایک مثال بھی ایسی نہیں پیش کی جاسکتی کہ آپؐ نے اپنے کسی دشمن کو ویسا ہی سخت جواب دیا ہو۔

آپؐ کی غریب پروری کا حال یہ تھا کہ کبھی کوئی بھکشو (مانگنے والا سائل) آپؐ

کے دروازے پر آتا، تو کبھی محروم ہو کر نہ جاتا۔ یہاں تک کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا تو آپ فرمایا کرتے کہ ــــــ " میرے نام سے قرض لے لو، میرے پاس جس وقت ہوگا۔ ادا کر دوں گا۔

آپؐ کے کیریکٹر (کردار) کے متعلق آپؐ کے دشمن بھی شبہ ظاہر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس وقت بھی سب آپؐ کو پوتر منش (پاکیزہ سیرت ہستی) ہی سمجھتے تھے۔

آپؐ کا دنیاوی جیون بھی بڑا سندر تھا۔ مثلاً یہ کہ اپنی معاش کے لیے خود محنت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی سخت محنت کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

آپؐ نے تمام عمر سنیاس (رہبانیت) اختیار کرنے کا اپدیش (تلقین) بھی نہیں دیا۔ بلکہ یہ کہا کہ اس دنیا میں رہو، اسے برتو اور یہ بھی بتایا کہ دنیا میں رہنے کے زریں اصول کیا ہیں اور یہاں رہ کر بھی ہمیں عزت اور شانتی کس طرح مل سکتی ہے۔

آپؐ کی پیدائش سے پہلے عرب میں بھی مورتی کی پوجا ہوتی تھی۔ جس طرح ہندوستان میں ہوتی ہے۔ مگر آپؐ کی تعلیم سے مورتی پوجا مٹ گئی اور ایشور بھگتی کا دھیان پیدا ہوا۔

یہ بھی آپ ہی کی کرپا (مہربانی) تھی کہ عرب کے ظالم لیٹرے اعلیٰ اوصاف والے "مہنت" اور "سوامی" بن گئے۔ اور آپؐ نے عربوں میں وہ جوہر پیدا کر دیا۔ جو ایک ہی سمے (وقت) میں آدمی کی آتما (روح) کی سُدھار کا کام بھی کرے اور اسے جرنیل، کمانڈر اور چیف جسٹس بھی بنا دے۔

(آپؐ نے استریوں (خواتین) کی مظلومی کا بھی خاتمہ کر دیا۔ آپؐ کی پیدائش سے

قبل عورتوں کے کچھ بھی حقوق نہ تھے اور ان پر ظلم حد سے بڑھا ہوا تھا۔ آپؐ نے ان کو عزت کی جگہ دی۔ ان کے حق مقرر کیے اور ان کے سروں پر بھی مساوات کا تاج رکھ دیا۔

آپؐ کے جیون میں سب سے زیادہ قابل توجہ بات یہ ہے کہ آپ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اگر آپؐ چاہتے، تو لاکھوں روپے کی دولت جمع کر لینا آسان تھا۔ وہ بڑے شاندار محل اپنے رہنے کے لیے بنوا سکتے تھے۔ مگر آپؐ نے اپنے گھر کے لوگوں اور استریوں کے لیے کوئی بھی سرمایہ جمع نہ کیا۔ کیونکہ وہ نہایت ہی سادہ زندگی پسند کرتے تھے۔

(آپؐ کی تعلیم میں ایک چمکتا ہوا ستارہ یہ بھی ہے کہ وہ امیر و غریب کو ایک ہی سطح پر زندگی بسر کرنے کا ڈھب سکھاتے تھے۔ آپؐ سے پہلے غریب کی حالت تو جانور سے بھی بدتر تھی۔ ان کے کچھ حقوق نہ تھے۔ مگر آپؐ نے ان کو عزت دی ان کو حقوق دیئے۔ آپؐ کا قول تھا کہ

"غریب کے پہلو میں بھی دل ہے جو اچھے سلوک سے خوش اور برے سلوک سے ناخوش ہوتا ہے۔" (مفہوم) برابری اور غریب نوازی کی یہ تحریک آج بھی زندہ ہے۔ کسی مسجد میں جا کر دیکھیے، وہاں آپؐ کو امیر اور غریب، ادنیٰ اور اعلیٰ اور بھکشک (گداگر) ایک ہی صف میں نظر آئیں گے۔ یہی وہ خوبیاں ہیں جنہیں سمجھ والے لوگ پسند کرتے ہیں اور ان کی عزت کرتے ہیں۔

بولو! شری محمدؐ کی جے!

ملکِ عرب کا سب سے بڑا ریفارمر

جناب ماسٹر شنکر داس صاحب گیانی (ہیڈ ماسٹر ضلع [illegible])

اگر قوموں اور ملکوں کی تاریخ کا بغور مطالعہ کیا جائے اور مذہبی تعصبات کو الگ رکھ کر چشمِ بصیرت سے دیکھا جائے تو بہت سی ایسی پوتر ہستیاں مادرِ گیتی کے آغوش میں خوش فعلیاں کرتی نظر آئیں گی جو پروان چڑھ کر اپنی تن تنہا طاقت سے سنسار کی پاپی قوتوں سے مقابلہ کرتی رہی ہیں اور جنہوں نے اپنا فرض سمجھا کہ جس طرح بھی ہو سکے۔ عالم کو بربادیوں اور سیاہ کاریوں سے بچایا جائے۔

بعض ایسی ہستیاں بھی ملیں گی۔ جن کے معجزانہ شبدوں نے گھبرائے ہوئے بہادر کے دل میں ایسی شور بیرتا ڈال دی جس نے ڈگمگاتے ہوئے قدم کو میدانِ جنگ میں غیر معمولی استقلال کے ساتھ جما دیا۔

کون ہے ؟ جو جگد[illegible] دیش کے مشہور مہاتما بدھ کے نام سے واقف نہیں یہی وہ ہستی تھی۔ جس نے رسمِ خوں ریزی مٹانے کے لیے اپنے کل آرام و آسائش

کا خون کر دیا تھا اور دنیا میں "اہنسا" اور "چھوتھیا" کے اصولوں کا جھنکار کر دیا تھا۔ کون ہے ؟ جو مہاراجہ دشرتھ کے فرزند شری رام چندر جی کے نام نامی سے واقف نہیں۔ جن کی تعلیم نے اس کا نام تاریخ ہند کی پیشانی پر سنہری حروف میں لکھ دیا ہے۔

اسی طرح ہمیں ایک ہستی عرب میں بھی ایسی نظر آتی ہے۔ جس نے اپنا عیش و آرام تج کر عرب کے وحشیوں کو انسان بنایا اور اپنی تعلیم سے ان کی کایا پلٹ دی۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا۔ جو حضرت محمد صاحب نے عرب کی سرزمین میں کر دکھایا۔ اس سے یقین ہوتا ہے کہ وہ کوئی معمولی انسان نہ تھا، بلکہ ایک زبردست ریفارمر تھا۔ آپ کی تعلیم میں ہمیں ایسی بہت سی خوبیاں نظر آتی ہیں۔ جن کو دیکھ کر بے اختیار آپ کی تعریف کرنے کو جی چاہتا ہے۔ خاص کر آپ کی یہ تعلیم کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں کوئی نبی، ہادی، مصلح اور ریفارمر نہ آیا ہو۔ اپنے اندر پریم و محبت کی ایک دنیا لیے ہوئے ہے۔ آپ کی یہ محبت بھری اور امن پسندانہ تعلیم اس قابل ہے کہ مسلمان اس پر ایمان ہی نہ رکھیں، بلکہ اس پر عمل کر کے بھی دکھلائیں۔ آپ کی یہ تعلیم ایسی اعلیٰ ہے جو اپنے پرائے سب سے خراج تحسین حاصل کیے بغیر نہیں رہ سکتی۔ غرضیکہ محمد صاحب کی اس تعلیم پر جس قدر آپ کی تعریف کی جائے کم ہے اور یہی چیز ہے جو اسلام کو ایک ممتاز درجہ دیتی ہے۔ آپ نے اپنی امت کو بنی نوع انسان سے ہمدردی اور باہمی محبت و رواداری کا یہ گر سکھا کر دنیا پر بہت ہی بڑا احسان کیا ہے اور دنیا کے تمام مذہبی پیشواؤں اور بزرگوں کی عزت کو محفوظ کر دیا ہے۔ میں اگرچہ آپ کی تعلیم پر چلنے کی اپنے اندر صلاحیت نہیں پاتا اور نہ ہی آپ کے

پیروؤں میں شمار کیے جانے کے لائق ہوں۔ تاہم میں آپ اپنے کو اس امر پر مجبور پاتا ہوں کہ آپ کے اس نیک جذبہ اور عزم واستقلال کی قدر کروں۔ جس کی وجہ سے آپ نے دشمنوں میں محصور ہو کر دنیا کے مال و دولت اور عزّ و جاہ پر لات مار کر اور کئی مرتبہ موت کے منہ میں پڑ کر عرب کے رواج یافتہ مذہب کے اصولوں کو توڑا اور ایک ایسے مذہب کی بنیاد ڈالی جس نے اس زمانے کی تہذیب میں عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا اور جس نے ایک ایسی قوم پیدا کر دی ہے۔ جس کی اخلاقی معاشرت اور سیاسی و اخلاقی اور ذہنی حالت ایک بلند درجہ پر پہنچی ہوئی ہے۔

اگر آپ کچھ نہ کرتے اور صرف خدا پرستی اور مساوات کی تعلیم پر اکتفا کرتے تو بھی بہت کچھ تھا اور اتنے پر ہی دنیا ان کے قدموں پر عقیدت کے پھول نچھاور کرتی۔ مگر اب جب کہ آپ کی تعلیمات میں توحید، تقویٰ، نیکی، پارسائی، محبت و رواداری اور عورتوں کے حقوق کی آزادی وغیرہ چیزیں بھی نظر آتی ہیں، تو ایسی حالت میں ان کی تعریف سے چشم پوشی کرنا ہٹ دھرمی اور بدترین تعصب ہے۔

دیکھیے! محمدؐ صاحب کی تعلیم نے عرب والوں کی حالت میں کتنا بڑا اور نمایاں تغیر کیا۔۔۔ عرب میں لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ عورتوں سے حیوانوں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ مگر آپ کی تعلیم نے اس ظالمانہ رسم کو قطعی طور پر بند کر دیا اور عورتوں کو مردوں کے برابر لا کھڑا کیا۔ ظالم اور وحشی عربوں سے عورتوں کے چھینے ہوئے حقوق واپس دلوانا اور عورت کی ایک مستقل حیثیت

اور مرتبہ تسلیم کرانا کوئی آسان کام نہ تھا۔ مگر محمدؐ صاحب کی قوت استقلال نے یہ بھی کر دکھایا۔

آپؐ کو خدمتِ خلق اور عبادت خدا کا نیک جذبہ پیدا کرنے میں جن مصیبتوں کو برداشت کرنا پڑا ان کو دیکھ کر آپ کے صبر و تحمل کی داد دینی پڑتی ہے۔ کیونکہ سب مہاپرشوں کی بڑائی کا معیار یہی ہے۔ جس میں جس قدر زیادہ قوت برداشت ہوتی ہے اسی قدر اس کو بڑا اور اچھا سمجھا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں کوئی شخص ذاتی خوبیوں اور گنوں کے بغیر بلند مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مذہبی پیشواؤں سوشل ریفارمروں اور سیاسی رہنماؤں میں کچھ نہ کچھ غیر معمولی خوبیاں ایسی ضروری ہوتی ہیں۔ جو اور انسانوں سے انہیں بلند مرتبہ دیتی ہیں۔ سو محمدؐ صاحب بھی اپنے اندر ایسی چمکدار خوبیاں اور من موہنے اوصاف رکھتے تھے۔ جنہوں نے عرب کے بدوؤں کو بھی رام کر لیا۔

میرا خیال ہے کہ اگر مسلمان اسلام کے بانی کی زندگی کا بغور مطالعہ کریں اور آپ کی تعلیمات کو اچھی طرح سمجھیں تو خود ان کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں اور پھر وہ ان پر عمل پیرا ہو کر دوسروں میں آپؐ کی اصل تعلیمات کی اشاعت آسانی کے ساتھ کر سکتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو آج بہت سی غلط فہمیاں اور تعصبات عام طور پر پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ بہت جلد دور ہو سکتے ہیں۔
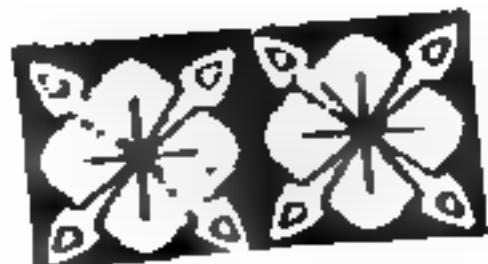
بہترین اِصلاح پسند

مسٹر وائل مصنف ہسٹری آف دی اسلامک پیپل (ترجمہ)

آپؐ اپنے وطن کے سچے بہی خواہ تھے۔ یہ آپؐ کی ذات ستودہ صفات تھی کہ جس نے ان قبائل کو جو اس سرے سے اس سرے تک انتشار کی حالت میں اِدھر اُدھر پھیلے ہوئے تھے۔ متحد اور منظم کر دیا اور ایک ایسے مذہب کے شیرازے میں منسلک کر دیا کہ جس میں صرف خدائے واحد کی پرستش اور ابدی نجات کی تعلیم تھی۔ آپؐ ہی نے عرب کو بت پرستی کی لعنت سے پاک کیا اور دوسروں کی غلامی سے نجا... دی، توہم پرستی، قتل وغارت، جن لوگوں کا مذہبی شیوہ تھا۔ ان کو ابدی اور مکمّل شریعت سے بہرٔاندوز کیا۔ ان کو اس قانون کا عامل بنا دیا۔ جو ہر زمانہ میں یکساں منفعت کے ساتھ نافذ اور رائج ہو سکتا ہے۔ آپؐ نے ہی غلاموں کی انتہائی سختی کو شفقت سے بدل دیا۔ غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری فرمائی اور زکوٰۃ اور مالِ غنیمت میں ان کا ایک حصّہ مقرّر کر دیا۔

قرآن نے ظلم وستم، جبر واستبداد، غرور ونخوت، اسراف بیجا، تہمت تراشی،

قمار بازی، شراب خوری اور اسی قسم کے وہ افعال جو آدمی کو زمرۂ انسانیت سے خارج کر دیتے ہیں۔ نہایت تاکید کے ساتھ ممانعت کی ہے۔ قرآنِ کریم خدائے واحد پر ایمان لانے اور اس کی رضا پر راضی رہنے کی تعلیم دیتا ہے۔

محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے اپنے پیرووں کے لیے اپنی ذات میں بے نظیر نمونہ چھوڑا ہے۔ صنفِ نازک کے معاملہ میں بعض کمزوریوں کے باوجود آپؐ کا دامنِ عصمت بالکل پاک وصاف اور بے داغ تھا اور آپؐ کا گھر، آپ کا لباس، آپؐ کی غذا سے بالکل سادگی عیاں تھی۔ آپؐ اتنے منکسر مزاج تھے کہ اپنے معتقدین کے ساتھ کسی ایسے سلوک کے بالکل روادار نہ تھے۔ جو آپؐ کو ان سے ممتاز کر دے۔ نہ آپؐ نے کبھی اپنی پرستش کا حکم دیا جس کام کو آپؐ کر سکتے تھے۔ کبھی اپنے غلام سے بھی نہ لیتے۔ بارہا دیکھا گیا کہ آپؐ بازار میں سودا خرید رہے ہیں۔ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگا رہے ہیں۔ بکری کا دودھ اپنے ہاتھ سے دھو رہے ہیں۔ حرمِ نبوی ہر ایک کے لیے اور ہر وقت کھلا رہتا ہے۔ اور ہر شخص کی رسائی آپؐ تک بلا روک ٹوک ہوتی۔ آپؐ بیماروں کی عیادت کرتے اور ہر ایک کے ساتھ رحم و شفقت کا برتاؤ کرتے۔ اگر کوئی سیاسی وجہ حائل نہ ہوتی، تو آپؐ سلوک اور تواضع سے کبھی منہ نہ موڑتے۔

آپؐ کی فیاضی اور سخاوت کی کوئی حد نہ تھی۔ آپؐ اپنی اُمت کی بھلائی اور خوشحالی کے خیال سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ ہر طرف سے آپؐ پر تحائف کی بارش ہوتی تھی اور مالِ غنیمت میں کثیر رقم آپؐ کے پاس آتی تھی، لیکن آپؐ نے نہایت حقیر رقم اپنے بعد چھوڑی اور وہ بھی اپنی اکلوتی چہیتی بیٹی فاطمہؓ کے لیے نہیں، بلکہ وہ بھی بیت المال کی ملک قرار پائی۔

وحدانیت کا متوالا

جناب ڈاکٹر بدیہ دیر سنگھ صاحب چاندنی چوک دہلی

پاک ہستیوں کی سوانح عمری کے سننے سنانے والے دونوں ہی نیک سیرت ہوتے ہیں۔ حضرت محمدؐ ایک نیک ہستی تھے۔ اس میں ذرہ بھر بھی شک نہیں۔ مسلمانوں کو چھوڑ کر جن کے عقیدہ کے لحاظ سے حضرتؐ ایک پیغمبر تھے اور دوسرے لوگوں کے لیے محمدؐ صاحب کی سوانح عمری ایک نہایت ہی دل بڑھانے والی اور سبق آموز ثابت ہوئی ہے۔ عرب جیسے وحشی ملک میں جہاں پر ذرا سی مخالفت ہونے پر مخالفت کرنے والے کی گردن کاٹ دی جاتی تھی۔ اس پاک ہستیؐ نے جس استقلال اور بہادری سے اسلامی مذہب کے اعلیٰ اصولوں کا پرچار کیا۔ وہ ملک کی تاریخ میں طلائی حرفوں سے لکھا ہوا ہے اور جس کو ہم بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ہمارے دل کے اندر کسی قسم کا بغض و تعصب نہ ہو۔ چھ سال کی کڑی پرستش کے بعد جب حضرت محمدؐ کو "لا الٰہ الا اللہ" کا گیان ہوا، تو انہوںؐ نے ایک دن بغیر کسی قسم کا دل میں ڈر رکھتے ہوئے اور بے دھڑک ہو کر اس نئی روشنی کو پھیلانا شروع کر دیا اور سب سے پہلے اپنی اہلیہ سے شروع کیا اور پھر ہر ایک بنی نوع انسان

تک پہنچایا۔

یہ امر تو مشہور ہے کہ انسان کی مذہبی زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اور وہ مقصد خدا ہے۔ ظاہرا دیکھا جاتا ہے کہ جب بھی خدا کا بھروسہ چھوڑ کر ہزاروں دیوتاؤں قبروں، مورتیوں اور آدمی پوجا کا رواج جاتیوں اور ملکوں میں شروع ہو جاتا ہے، تو اس ملک کا رہنے والا یا اس مذہب کا ماننے والا اپنے اصولوں سے نیچے گر جاتا ہے۔ آدمیوں کا چال چلن گرنے لگتا ہے، تو وہ سارا ملک کا ملک چال چلن سے گرا ہوا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس میں آہستہ آہستہ ایک ایسی شئے پیدا ہو جاتی ہے جس کا سنبھالنا بہت دشوار ہو جاتا ہے اور وہ آخر میں سب کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ ملک وملت کے لیے اونچ آچار و چال چلن کا ہونا بہت ضروری اور اہم ہے۔ اس کے بنا کوئی بھی انسان ترقی نہیں کر سکتا۔ دراصل چلن ہی انتی کا سب سے بڑا بنیاد کار ہے۔

جن جماعتوں کے آچار گر گئے ہیں، وہ دن بدن غلامی کی زنجیروں میں جکڑی جا رہی ہیں اور مشکلیں برداشت کر رہی ہیں اور دن بدن نظروں سے گرتی جا رہی ہیں اور آخر میں ایک دن بالکل نیست و نابود ہو جائیں گی اور ہوئی جاتی ہیں۔

درحقیقت آچار کی بنیاد، آپ کا پیار، محبت، بھروسہ اور سچائی ہے اور سچائی ہی خدا ہے۔ اس لیے قبروں، مورتیوں، پیروں وغیرہ کی پرستش کرنے والے ہرگز چلن والے آدمی نہیں ہوتے ہیں اور جو لوگ سچائی یا خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں اور اس سے ہی اپنے آپ کو ملا ہوا سمجھتے ہیں۔ وہی مضبوط چلن والے ہوتے ہیں اور ہو سکتے ہیں جو آدمی ڈرے ہوتے ہیں، وہ کمزور ہوتے ہیں اور بزدلی غیر خدا کی پرستش، ڈر اور لالچ کے سبب سے پیدا ہوتی ہے اور لوگ کرتے ہی اس نیت سے ہیں کہ اگر فلاں دیوتا کی منت سماجت

۔ لی گئی، تو ہمارے بچوں کو فلاں بیماری ہو جائے گی۔ فلاں قبر پر چڑھاوا چڑھانے سے ہمیں زر ملے گا۔ دولت ملے گی۔ میرے اولاد ہوگی۔ جس ملک میں بت پرستی ہے۔ وہاں کے لوگوں کے دلوں میں محبت اور بھروسہ کی جگہ ڈر اور لالچ اور ڈرپوک پن پیدا ہو جاتا ہے جو کہ ان کو نیچ بنا دیتا ہے جو لوگ پرماتما اور سچائی میں عقیدہ رکھتے ہیں، وہی دراصل پکّے آچار والے ہوتے ہیں، آپ سمجھ سکتے ہیں کہ حضرت محمدؐ نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے ان چلن سے گری ہوئی جاتیوں کو ویدانیت کا وعظ سنا کر اس جماعت کا اور اس کے ذریعہ دنیا کی اور تمام جماعتوں کا کتنا بھلا کیا ہے اور یہ ہی ایک چیز تھی جس کے آگے عرب کی تمام بڑی بڑی طاقتیں سرنگوں ہو گئیں۔

پیغمبر صاحب کی سوانح عمری محبت اور خدمت کی ہزاروں مثالوں سے بھری پڑی ہے اور ایک سچّے، سچائی کی طرف جانے والے کی زندگی ہمیشہ محبت اور خدمت کے جذبات سے پُر ہوتی ہے۔ ایسا کہنے میں آتا ہے کہ ایک دن حضرتؐ صاحب کے ایک عرب آیا۔ اس کو ایک غیر مذہب کا جانتے ہوئے بھی محمدؐ صاحب نے بے خوف ہونے کا سبق پڑھایا اور اپنے ہاں ٹھہرایا۔ اپنے کپڑے سونے کے لیے دیے۔ یہ شخص بیمار تھا۔ اس لیے اس نے آپ کے دیے ہوئے بستر پر ہی غلاظت کر دی جس سے تمام بستر خراب ہو گیا۔ وہ اس ڈر سے کہ مسلمان مجھے اس فعل کی سزا نہ دیں۔ بہت سویرے وہاں سے بھاگ گیا جب لوگوں کو پتہ چلا، تو انھوں نے بہت سخت سُست کہا اور اس کی برائی کی، لیکن حضرتؐ کے ماتھے پر کسی قسم کی کوئی شکن نہ پڑی اور کہنے لگے کہ وہ تو میرا مہمان تھا اور جھٹ اس کے خراب بستر کو دھونے لگے۔ مہمان عرب اتفاق سے اپنی تلوار بھول گیا تھا جب اس کو یاد آئی تو فوراً ڈرتا ڈرتا واپس آیا۔ حضرتؐ نے اس کو

اپنے پاس بٹھا کر اس کو تسلی دی اور اس کا دھیرج بندھوایا۔ عرب نے دیکھا کہ پیغمبرِ اسلام خود اس کے گند کو صاف کر رہے ہیں، تو وہ پانی پانی ہو گیا اور حضرتؐ کے قدموں پر گر پڑا۔ اور تھوڑے عرصہ بعد مع اپنے بال بچوں کے مذہبِ اسلام میں آگیا۔

ایسے ایسے ہزاروں واقعات حضرتؐ کی زندگی میں پیش آئے جس سے ان کی محبت، خدمت اور ایشور پرستی کی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں۔

آئیے! ہم سب اپنے آپس کے تفرقوں کو ایک طرف رکھ کر آج ایک متبرک موقع سے فائدہ اٹھائیں اور اس بڑی ہستی کے نام پر اپنی محبت کے پھول چڑھائیں اور دعا کریں کہ آج کے مسلمان بھی اپنے نبیؐ جیسے مسلمان بن جائیں اور اپنے نبیؐ کی اچھائیوں کے ذریعے سے جو کہ خدا کی پرستش اور بندوں کی خدمت ہے۔ سارے جہان کو وحدانیت کا سندیشہ سنا دیں اور سارے ملکوں کو لوگوں کی غلامی سے نجات دلا کر بس ایک خدا کا غلام اور خلقِ خدا کا خادم بنا دیں۔

حضرت محمدؐ کے عالمِ انسانیت پر عظیم احسانات

جناب لالہ رام لال صاحب ورما

دنیا کی تمام بڑی ہستیوں کے خیالات ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ زندگی و تہذیب اور معاشرت و تمدن کے بنیادی اصول کبھی تبدیل نہیں ہوئے۔ خواہ زمانہ کی رفتار اور قوموں کی ضروریات کی وجہ سے ان کی تفصیلات میں کتنا ہی تغیر و اختلاف کیوں نہ ہو۔ راستی، دیانت، ہمدردی، پاکیزگی اور صفائی یہ وہ چیزیں ہیں۔ جو انسانیت کی شرط ہیں اور ان کے بغیر انسانیت حیوانیت سے بدل جاتی ہے۔ ان کے بغیر زندگی، تہذیب، معاشرت اور تمدن کی ترقی ناممکن ہے۔ ان کے بغیر خدا شناسی محال ہے۔

جب دنیا میں ان چیزوں کی قلت یا فقدان ہوتا ہے، تو ایک پیغمبر، پیشوا، رہبر یا رہنما کے لیے وقت ہوتا ہے کہ وہ وجود میں آئے اور بنی نوع انسان کو یا انسانوں کے کسی طبقہ کو جو انسانیت کی نشو و نما اور ترقی کے اصولوں سے ناواقف ہونے کے باعث پستی کے غار میں گرنے سے بچائے اور اسے راہِ راست دکھائے

یہ قدرت کا اصول ہے کہ ایسی ضرورت کے وقت ایک پیغمبر، پیشوا، رہبر یا رہنما وجود میں آتا ہے اور نوع انسان کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) بھی ایسے ہی ایک پیغمبر، پیشوا، رہبر اور رہنما تھے۔

اہلِ اسلام حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کو کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ سوال فی الحال خارج از بحث ہے۔ مسلمانوں کا اپنے نبیؐ اور رسولؐ سے کیا رشتہ ہے اور وہ ان پر کیسا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ وہ خود ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور اگر نہیں جانتے تو یہ جاننا ان کا کام ہے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) دنیا کی نگاہوں میں کیا تھے اور اب دنیا انہیں کس شکل میں یاد کرتی ہے؟ یہ سوال سرِدست ہمارے زیرِ غور ہے۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے اسلام کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے کافروں کو ایمان دیا اور انہیں خدا کا راستہ بتلایا۔ بس حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے متعلق اتنا کہہ دینا مسلمانوں کے لیے اطمینان و تسلی کا موجب ہو سکتا ہے، مگر دنیا کے ان لوگوں کو جو حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کو اپنا مذہبی پیغمبر یا پیشوا نہیں مانتے ان کی عظمت کے قائل کرنے کے لیے صرف اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہے۔ وہ تو ان کی زندگی اور تعلیم کے ان پہلوؤں پر نظر ڈالیں گے۔ جن کے اثرات محض مسلمانوں تک محدود نہیں ہیں اور پھر یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں گے کہ ان اثرات سے دنیا کو کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ آؤ! ہم حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی زندگی اور تعلیم کو اس زاویہ نگاہ سے دیکھیں۔

جب عرب کی زمین قتل و غارت گری کا گہوارہ بنی ہوئی تھی جب عرب کے

ریگستان میں جان و مال کی قیمت بہت ارزاں تھی۔ جب عرب کے باشندے تہذیب و تمدّن اور اخلاق و معاشرت سے ناآشنا، باہمی خلوص، محبت، ہمدردی اور انسانیت سے بے بہرہ تھے۔ تب حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) عرب میں نمودار ہوئے اور انھوں نے جاہلوں، وحشیوں اور نیم وحشیوں کو یہ بتلایا کہ انسان اپنے فعل میں خود مختار نہیں ہے جیسا کہ انھوں نے سمجھ رکھا ہے، بلکہ انسانوں کے افعال کا ایک نگہبان ہے جسے "خدا" کہتے ہیں۔ انھوں نے عربوں کو بتلایا کہ انسان انسان سے قتل و غارت گری کے رشتہ میں منسلک نہیں ہے۔ بلکہ ان کے درمیان اس سے بہتر رشتہ ہے اور وہ رشتہ خلوص و محبت کا ہے۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے پہلے جاہل عربوں کے دل میں خدا کا خوف پیدا کیا۔ اس کے بعد آپؐ نے انکے درمیان باہمی محبت کا رشتہ قائم کیا۔ پھر بتدریج ان کی بری عادت و اطوار میں اصلاح کی اور انہیں انصاف و انسانیت کے ابتدائی اصول سکھائے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے جنگجو عربوں کو بتلایا کہ صلح و امن کی قدر کیا ہے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے عربوں کو بتلایا کہ غلامی کی رسم کس قدر بری اور عورتوں سے بدسلوکی کتنا بڑا گناہ ہے۔ المختصر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے عربوں کو زندگی کی نشو و نما اور تہذیب و تمدّن کی ترقی کے مرحلوں سے واقف کیا۔

لیکن حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی زندگی اور تعلیم پر بیسویں صدی کے نکتہ چین جب تبصرہ کرتے ہیں۔ تو انہیں بعض باتوں کے لیے مطلق کشش نہیں ہوتی اور وہ ان باتوں کو کسی ہستی کی خالص عظمت و فضیلت کے منافی سمجھتے ہیں، وہ اپنی

حرف گیری کرتے ہوئے جن نتائج پر پہنچتے ہیں۔ فرض کرلو۔ کہ وہ حقائق پر ہی مبنی ہوں۔ مگر صرف انہی نتائج پر زور دینا اور ان کی بناء پر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زندگی اور تعلیم کے ان پہلوؤں کو نظر انداز کر دینا جنہوں نے کہ صرف جہالت کے زمانے ہی میں نہیں، بلکہ روشنی اور تہذیب کے موجودہ زمانہ میں بھی قوموں کے سیاسی واخلاقی نظام میں بہترین جگہ پائی ہے۔ صاف تنگ نظری وتعصب کا پتہ دیتا ہے۔ ایسے نکتہ چینوں سے ہم صرف یہی کہیں گے کہ انہیں اپنا اہم فریضہ سرانجام دیتے وقت یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اب سے چودہ صدی قبل پیدا ہوئے تھے اور وہ اس سرزمین میں پیدا ہوئے تھے۔ جہاں جہالت اور وحشت کا دور دورہ تھا۔ روشنی وتہذیب کے موجودہ زمانے میں اور خاص کر ایسے ملکوں میں جہاں کے لوگوں نے رواداری، حلم وبردباری کا سبق حاصل کر لیا ہے۔ اخلاق اور انسانیت کے اعلیٰ ترین اصولوں کی اشاعت کرنا نہایت آسان ہے۔ مگر اب سے چودہ صدی قبل کے وحشی عربوں میں ایمان و عقیدہ پیدا کرنا اور پھر انہیں تہذیب وانسانیت کی تعلیم دینا ایک مشکل ترین کام تھا جسے پورا کرنا کوئی آسان بات نہیں تھی۔ اصلاح کبھی بھی یک لخت نہیں ہوتی۔ اصلاح ہمیشہ بتدریج ہوتی ہے۔ جسے ہم، انقلاب کہتے ہیں۔ وہ کوئی لمحوں یا منٹوں کی بات نہیں ہے۔ انقلاب اگرچہ گھڑیوں میں ہوتا ہے، اگر وہ ان مراحل کا نتیجہ ہوتا ہے، جو مسلسل وپیہم کوششوں سے بتدریج طے کیے جاتے ہیں۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اب سے چودہ سو سال قبل وحشی عربوں کو انسان بنا دیا تھا۔ یہ امر بجائے خود ایک ایسا عظیم کارنامہ ہے۔ جس کی اہمیت ہم ۲۰ ویں صدی

کے لوگوں کے خیال و تصوّر سے بھی باہر ہے۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی موت کے وقت عرب میں ایک باقاعدہ سلطنت قائم ہو چکی تھی۔ جس میں مذہب، سیاست اور اقتصادیات کے شعبے موجود تھے۔ اس وقت عرب میں جنگجو قبائل کے بجائے ایک متحدہ قوم پیدا ہو چکی ہے۔ جو مشترکہ عقائد کی پابند تھی۔ اس وقت وحشی قبیلوں کے درمیان ایک رشتہ موجود تھا جو خاندانی رشتہ سے زیادہ مضبوط تھا۔ اس وقت عرب میں اسلام ظہور پذیر ہو چکا تھا۔ جس کی بنیاد جمہوریت اور اخوت پر تھی۔

بس! حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی زندگی کا کارنامہ اسلام تھا۔ اسلام کیا ہے؟ مسلم علماء کا مذہبی نقطۂ نگاہ سے اس کا خواہ کچھ جواب ہے غیر مسلموں کے نزدیک اسلام، جیسا کہ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے اسے بنایا۔ جمہوریت و اخوت کا ایک دائرہ ہے۔ جو مساوات کے مرکز پر کھینچا گیا ہے۔ جمہوریت، اخوت اور مساوات وہ عطیات ہیں جو حضرت محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے بنی نوع انسان کو عنایت کیے اور حقیقت میں یہی وہ اصول ہیں۔ جن کی ہر زمانہ اور ہر دور کے معلموں نے اشاعت کی ہے۔ یہی وہ اصول ہیں۔ جن پر نہ صرف اسلام بلکہ تمام دیگر مذاہب اور جن پر نہ صرف مسلمانوں کی بلکہ تمام قوموں کی ترقی و نجات کا دارومدار ہے۔

بیسویں صدی کی موجودہ جدوجہد بھی انہی اصولوں پر مبنی ہے۔ مگر کیا مسلمان جو حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے بنائے ہوئے اسلام پر فخر کرتے ہیں۔ ان اصولوں کی اہمیت سمجھتے اور قدر کرتے ہیں؟ یہ ایک سوال ہے جس کا خود مسلمانوں کو جواب دینا چاہیئے۔

بانیٔ اسلامؐ کی رحم دلی

جناب بی ایس رندھاوا۔ ہوشیارپور

مہاتما بدھ، زرتشت، سری کرشن مہاراج اور شری رام چندر جی کے عزیز ہم قوموں نے ان پر ظلم کیے اور ستایا جلایا۔ ابراہیمؑ پیغمبر نمرود کے ہاتھوں آگ میں جھونکے گئے۔ ذکریا کو آرا سے چیر کر دو ٹکڑے کیا گیا۔ موسیٰؑ نے فرعون پر ستم ڈھائے یہودیوں نے عیسیٰؑ کو سولی پر لٹکایا اور اسلام کے بانی حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کو جتنا ستایا گیا اتنا کسی ہادی اور پیغمبر کو نہیں ستایا۔ آپ کو پتھروں سے لہولہان کر دیا گیا۔ اونٹ کی غلاظت بھری اوجھڑی ان پر ڈالی گئی۔ انہیں پاگل اور مجنوں بنایا گیا۔ گھر سے بے گھر کیا گیا اور قتل کے منصوبے بنائے گئے۔ بتلائیے ان رشیوں اوتاروں اور پیغمبروں نے اپنے اپنے مذہب جاری کر کے کیا حاصل کیا۔ کیا سُکھ اٹھایا۔ سب کے سب اچھی ہی باتوں کی طرف لوگوں کو بلاتے تھے اور سنسار کی بھلائی کے خواہاں تھے نہ کہ جھوٹے اور مکار۔

ایسی ہی حالت میں میں کیوں نہ محمدؐ صاحب کی رحمدلی اور شفقت و مروت

علی المخلوق کی داد دوں جنھوں نے ظلم وستم کے پہاڑ اپنے سر پر اٹھا لیے، مگر اپنے ستانے والوں اور دکھ دینے والوں کو اف تک بھی نہ کی، بلکہ ان کے حق میں دعائیں مانگیں اور طاقت واقتدار حاصل ہو جانے پر بھی ان سے کوئی انتقام نہیں لیا۔

بانیانِ مذاہب میں سے سب سے زیادہ ناانصافی اور ظلم اگر کسی پر کیا گیا ہے تو بانیٔ اسلام پر کیا گیا ہے اور متعصب مؤرخین نے کوشش کی ہے کہ پیغمبرِ اسلام کو ایک خونخوار اور بے رحم انسان کی شکل میں پیش کیا جائے اور خواہ مخواہ دوسروں کو ان سے نفرت دلائی جائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ محمدؐ صاحب پر تنقید کرنے والوں نے اسلامی تاریخ اور بانیٔ اسلام کی سیرت کا صحیح طور پر مطالعہ کرنے کی تکلیف ہی گوارا نہیں کی، بلکہ سنی سنائی اور بے بنیاد باتوں کو ہی سرمایہ بنا کر اعتراضات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ اگر ایسے لوگ اسلامی روایات کو سمجھ لیتے اور سچائی کے اظہار کے لیے اپنے اندر کوئی جرأت وہمت پاتے، تو وہ یقیناً اپنی رائے تبدیل کرنے پر مجبور ہوتے۔

اب ہم آپؐ کی رحمدلی کے چند واقعات پیش کرتے ہیں۔

خدا نے پیغمبرؐ صاحب کی زبانی تمام دنیا والوں کے نام یہ اعلان کرایا کہ ہم نے حضرت (محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم) کو تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ قابلِ غور امر یہ ہے کہ یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ ہم نے محمدؐ کو صرف مسلمانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے پھر عالمِ انسانیت کی بھی قید نہیں اس میں تمام عالم، حیوانات، نباتات اور جمادات تک شامل ہیں۔ یہ دعویٰ ان دشمنوں اور مخالفوں کے سامنے کیا گیا جو شب و روز آپؐ کو جھٹلانے اور زک پہنچانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اگر آپؐ ذرا بے رحم اور سنگدل ہوتے اور آپؐ نے کبھی کسی پر بے جا ظلم وستم کیا ہوتا، تو

معترضین اس دعوئے رحمت کو جھٹلانے سے کبھی نہ چوکتے، لیکن اسلامی تاریخ میں اس قسم کے کسی اعتراض کا سراغ نہیں ملتا۔

کسی شخص کی رحم دلی و سنگدلی کا اس وقت پتہ چلتا ہے۔ جب کہ اسے اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر پورا پورا تسلط و اقتدار حاصل ہو اور اس اصول کو سامنے رکھ کر میں جب فتح مکہ کے دن کا نظارہ کرتا ہوں، تو بانیٔ اسلام کی رحمدلی اور شفقت و رحمت کا ایسا روشن اور پختہ ثبوت ملتا ہے کہ جس کی نظیر تاریخ میں ڈھونڈنے سے نہیں ملتی۔ یعنی اپنے قابو پائے ہوئے جانی دشمنوں کو یہ کہہ کر کہ "آج کے دن تم آزاد ہو۔ تم پر کوئی تاوان ہے نہ باز پرس" عام معافی کا اعلان کر دیا اور جانی دشمنوں تک کو آزاد کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی یہ رحمدلی اور شفقت لوگوں کے دلوں کو متاثر کیے بغیر نہ رہ سکی۔ اور بہت سے دشمن اس واقعہ سے متاثر ہو کر اسلام لے آئے۔

بدر کی جنگ میں آپ کو شاندار فتح حاصل ہوئی تھی اور بہت سے قیدی گرفتار ہو کر آئے تھے۔ جن کی رات بھر مشکیں کسی رہیں۔ آپ کے چچا عباس بھی انہی قیدیوں میں تھے۔ ان کی مشکیں قدرے سخت کسی ہوئی تھیں۔ جس کی وجہ سے آپ کراہ رہے تھے۔ جب ان کے کراہنے کی آواز آپ کے کانوں میں پہنچی۔ تو آپ بے چین ہو گئے اور رات بھر نیند نہ آئی اور صبح ہوتے ہی سب صحابہؓ سے صلاح و مشورہ کر کے سب قیدیوں کو آزاد کر دیا۔

اب جو رحمدلی اور انسانوں سے نیک برتاؤ کی جو تعلیم آپؐ نے اپنی امت کو دی وہ بھی ملاحظہ ہو۔

" اللہ تعالےٰ نرمی کرتا، نرمی کو پسند کرتا اور نرمی سے خوش ہوتا ہے۔" نرمی کرنے

والے کی مدد کرتا ہے۔

■ "ہر ایک پیاسے کو پانی پلانا ثواب کا کام ہے۔

■ جانوروں پر اتنا بوجھ لادو۔ جس کو وہ سہار سکتے ہوں اور ان کو پیٹ بھر کر چارہ دو۔"

■ جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔ اللہ بھی اس پر رحم نہیں کرتا۔"

یہ تمام حکم عام ہیں۔ ان میں اپنے پرائے کی کوئی تخصیص نہیں۔ خویش و بیگانے کی کوئی قید نہیں، بلکہ تمام بنی نوع انسان کے ساتھ رحمدلی، نیک برتاؤ، نفع رسانی اور خدمتِ خلق کا حکم ہے۔ یہی وہ قیمتی اور سنہری تعلیم ہے۔ جس نے مجھے عقیدت کے چند پھول آپ کے قدموں پر نچھاور کرنے پر مجبور کیا۔ ایسے سندر ساجن، سندر سروپ اور پریتم پیارے کو پرنام۔
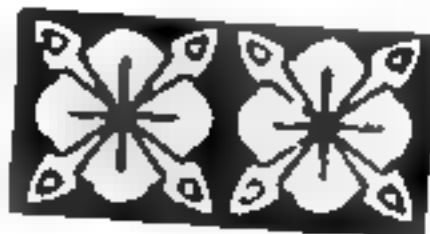
مسلمان اور اُن کے نبیؐ کی تعلیم

سردار رام سنگھ صاحب گیانی امرتسری

محمد صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے یوں تو دنیا میں آکر بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اعلیٰ درجہ کے مذہبی پیشوا اور اپنے وقت کے بہت بڑے ریفارمر تھے۔ آپؐ نے جہاں عرب سے بت پرستی اور توہم پرستی کو دور کیا۔ وہاں اور بھی بہت سے کام آپؐ کی زندگی سے وابستہ رہے ہیں۔ آپؐ نے عرب سے غلامی کی انسانیت سوز رسم کو مٹایا۔ اسلام کے پیرؤوں کو تعلیم دی کہ غلام کو آزاد کرنا سب سے بڑا کارِ ثواب ہے کوئی شخص پیدائشی غلام ہونے کی وجہ سے امام یا خلیفہ بننے سے محروم نہیں ہو سکتا۔ سب سے پہلے دنیا کو آپؐ ہی نے جمہوریت سے آشنا کیا۔ وطن کی محبت کو ایمان کی علامت قرار دیا اور فرمایا وطن والوں سے محبت کرنا عین ایمان ہے اور اہلِ وطن سے غداری یا نفرت یا ترک تعلق کرنا ناجائز ہے۔ اس تعلیم کا آپؐ نے یہودیوں اور کافروں سے معاہدات کرکے اور ان سے محبت و رواداری کا سلوک کرکے مسلمانوں

کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ بھی قائم کر دیا ہوا ہے۔ غرضیکہ آپؒ نے مسلمانوں کو وطن سے محبت کرنے، آزاد رہنے اور غلاموں کی مدد کرنے کی نہایت شد ومد سے تعلیم دی ہے۔ جس سے آپؒ کے مشن میں چار چاند لگ گئے ہیں۔
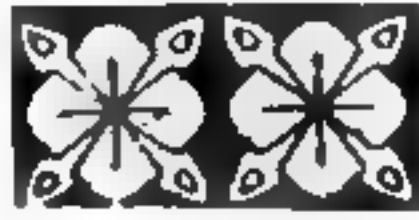
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعلیم اخوت و ایمان

موتی لال ماتھر

یہ ایک حیرت انگیز واقعہ ہے کہ مسلمان صرف چند برسوں کے اندر تقریباً نصف دنیا پر چھا گئے۔ ایک طرف تو وہ نصف عالم کے فاتح و مالک بن گئے۔ دوسری طرف انہوں نے علوم و فنون کے دریا بہا دیئے۔ اس حیرت انگیز ترقی کو دیکھ کر غیر مسلم متعجب ہوتے ہیں اور ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ اس کا سبب کیا تھا اور وہ کون سی قوت اور کون سی طاقت تھی جس نے مٹھی بھر وحشی، جاہل اور ریگستان عرب کے شتربانوں کو نصف دنیا کا حاکم بنا دیا اور علم و فن اور تہذیب و تمدن میں انہیں پوری دنیا کا استاد بنا دیا۔ غور و تحقیق کی نظر سے دیکھا جائے تو دو ہی ایسے جامع وصف نظر آتے ہیں جن کی وجہ سے اسلام کے متبع بہت ہی مختصر اور قلیل عرصہ میں ترقی و اقبال کے اوج کمال پر پہنچ گئے۔

"ایک یہ کہ خدائے واحد پر ایمان بالغیب اور دوسرے اخوتِ اسلامی"

سچی توحید نے مسلمانوں کے اندر جرأت و بے خوفی اور شجاعت و بسالت پیدا کر دی اور عزم و ارادہ میں پختگی اس درجہ پیدا کر دی کہ پہاڑوں کو اپنی بلندی اور مضبوطی ہیچ نظر آنے لگی اور سمندروں کا جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے توحید کی ایسی

تعلیم دی جس سے ہر قسم کے توہمات کی جڑیں کھوکھلی ہو گئیں۔ ہر قسم کے باطل عقائد کی بنیادیں ہل گئیں اور خدا کے سوا ہر قسم کا خوف دلوں سے نکل گیا۔ مخلوق اور اس کی مصنوعات کا ڈر بالکل جاتا رہا۔ خدائے واحد کی ایسی عظمت پیدا ہوئی کہ دنیا کی تمام عظمتیں اور شوکتیں ہیچ نظر آنے لگیں۔ جلالِ خداوندی کے جلوے ایسے نظروں میں سمائے کہ شاہانِ عالم کا جلال و جبروت بے وقعت ہو کر رہ گیا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشن یہی تھا کہ ایک خدا کی عظمت اپنے پیرووں کے دلوں میں قائم کر دیں اور باقی تمام باطل اور فانی طاقتوں کا نقش جلال و جبروت ان کے دلوں سے محو کر دیں؛ چنانچہ آپ کو اس مقصدِ عظیم میں پوری کامیابی ہوئی۔

دوسری چیز مسلمانوں میں اتحاد و اخوت کا پیدا کرنا تھا۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے قدم قدم پر اس اہم اور ضروری مقصد کی طرف مسلمانوں کی توجہ دلائی۔ ان کو ہر اک موقعہ پر اخوت کا سبق پڑھایا اور اپنی حیات میں اس کو اس طرح عملی جامہ پہنایا کہ مکہ سے جو مسلمان ہجرت کر کے مدینہ میں آ بسے تھے۔ وہ مہاجر کہلاتے تھے۔ اُن کا بھائی چارہ مدینہ کے مسلمانوں سے قائم کر دیا۔ مدینہ کے مسلمان انصار (مددگار) کہلاتے تھے ان انصار و مہاجرین میں جب پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھائی چارہ قائم کر دیا تو مدینہ کے انصار نے اپنی نصف ملکیت اپنے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کر دی۔ ایک ایک انصاری نے ایک ایک مہاجر کو اپنا بھائی بنا لیا اور انہیں اپنی ملکیت میں برابر کا شریک کر لیا۔ یعنی گھر بار، جائداد اور نقد غرضیکہ ہر ایک چیز جو جس انصاری کی ملکیت میں تھی اس میں سے اس نے اپنے اسلامی مہاجر بھائی کو آدھی بانٹ دی۔

دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسی مثال نہیں ملتی۔ یہ صرف حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی

زبردست تعلیم وتلقین کا نتیجہ تھا کہ ایک پوری جماعت نے دوسری پوری جماعت کو صحیح معنوں میں بھائی بنا کر اپنی نصف ملکیت دے دی جبکہ یہ دونوں جماعتیں دو مختلف شہروں کی رہنے والی تھیں۔ پہلے سے ان میں کسی قسم کی یگانگت وقرابت بھی نہ تھی۔ اس سے حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مؤثر تعلیم وتلقین کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

اب میں اس تعلیم کا نتیجہ دکھلاتا ہوں جس نے مسلمانوں کے اندر اخوت واتحاد اور محبت ومودت کا ایسا گہرا رشتہ قائم کر دیا تھا جس نے چند ہی سالوں میں دنیا کی جغرافیائی تقسیم کو یکسر بدل دیا تھا اور آج بھی اس کا اثر دنیا کی تاریخ وجغرافیہ پر باقی ہے۔ یعنی دنیا کے ایک حصہ کو "اسلامی ممالک" کے نام سے موسوم کر دیا گیا ہے۔

جیسا کہ مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تمام ارشادات اصولی طور پر قرآنی احکام کے تابع ہیں۔ اخوت اسلامی کی تعلیم کا منبع بھی قرآن ہی ہے۔ قرآن میں بتلا دیا گیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ ۔ تحقیق تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں گویا بنیادی اصول پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے بتلا دیا تھا۔ اسی اصول کے تحت پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کے اندر اس امر کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے کہ "اخوۃ اسلامی کو عملی شکل دے دی جائے" قدم قدم پر ایسی تعلیم وتلقین کی اور ایسی ہدایت فرمائی کہ بالآخر اسلامی مواخاۃ یعنی بھائی چارہ کا عملی نمونہ قائم کر دینے میں آپ کو ایسی کامیابی ہوئی جس کی نظیر سے دنیا کی تاریخ یکسر خالی ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

اَلْمُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِ کَالْبُنْیَانِ ۔ یَشُدُّ بَعْضُہٗ بَعْضًا

ترجمہ:- ہر ایک مسلمان کی دوسرے مسلمان کے ساتھ ایسی مثال ہے جیسے دیوار ہوتی ہے
کہ ایک اینٹ دوسری اینٹ کو تھامے رہتی ہے۔

اس حدیث کا مطلب صاف ہے۔ آپؐ نے اپنے پیروؤں کو یہ امر ذہن نشین کرایا
ہے کہ ان کو آپس میں متحد و متفق رہنا چاہیے جیسے کہ دیوار ہوتی ہے کہ اس کی ایک اینٹ دوسرے
کو تھامے رہتی ہے اور یہ بھی اشارۃً بتلا دیا کہ اگر متحد و متفق ہو کر رہو گے۔ ایک دوسرے کی
مدد کرو گے، ایک دوسرے کو سہارا دو گے تو دیوار کی طرح مضبوط رہو گے ورنہ اینٹوں کے
ڈھیر کی طرح ہو جاؤ گے۔ جس میں کوئی مضبوطی اور کوئی استحکام نہیں ہوتا اور جس کا جی چاہتا
ہے اس ڈھیر کو اس ڈھیر کی ہر اینٹ کو ٹھکرا دیتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے۔ "من استطاع منکم ان ینفع اخاہ فلیفعل"
(تم میں سے جو اپنے بھائی کو جو نفع پہنچا سکتا ہے۔ اسے پہنچانا چاہیے) یہ ایک حکم ہے
مگر بہت سی حدیثوں کے ساتھ مل کر یہ ایک حدیث ہی بہت اہم ہو جاتی ہے مثلاً

وَلَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا عمل
یہ نہ ہو گا کہ جو اپنے لیے پسند کرتا ہے وہی اپنے مسلمان بھائی کے لیے پسند نہ کرے۔)

اس حدیث میں نہایت جامع طریق پر مسلمانوں کو بتلا دیا گیا ہے کہ ان کا برتاؤ اپنے مسلمان
بھائیوں کے ساتھ کیسا ہونا چاہیے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ ہر
ایک مسلمان کو چاہیے کہ دوسرے مسلمانوں کو نفع اور ضرر کے کاموں میں اپنی ذات کی طرح خیال
کرے اور جو بات اپنے لیے ناپسند کرے وہ دوسرے مسلمان کے لیے بھی ناپسند کرے۔ اس
طرح ہر ایک مسلمان کا یہ فرض قرار دیا ہے کہ وہ ہر ایک مسلمان کو اپنی ذات کی طرح عزیز اور

محبوب رکھے اور جیسی محبت اس کو اپنی ذات سے ہوتی ہے ویسی ہی ہر اک مسلمان سے رکھے اور جیسا سلوک وہ اپنی ذات کے ساتھ کرتا ہے ویسا ہی سلوک ہر ایک مسلمان کے ساتھ کرے۔

ایک اور حدیث ہے ملاحظہ ہو!

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ۔

(مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ دونوں سے مسلمان محفوظ رہیں)

اس حدیث میں ہر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر زیادتی کرنے سے روکا گیا ہے خواہ زیادتی بذریعہ زبان ہو یا بذریعہ ہاتھ ہو۔ اس حدیث میں آگاہ کر دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کا کسی دوسرے مسلمان پر زیادتی کرنا کتنا سخت بُرا کام ہے۔ یعنی وہ سچا مسلمان ہی نہیں ہے جس کے ہاتھ یا زبان سے کسی دوسرے مسلمان کو تکلیف پہنچ جائے۔

ایک اور حدیث ملاحظہ کیجیے۔

"مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے۔ اس کا خون، اس کی عزت آبرو اور اس کا مال"

(مفہوم) ان تینوں باتوں کے اندر سب کچھ آ گیا ہے۔ اس حدیث میں صاف طور پر بتلا دیا گیا ہے کہ ہر ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کی ہر ایک چیز حرام ہے۔ یعنی مسلمانوں کی جان و مال، عزت و آبرو۔ کسی چیز کو بھی مسلمانوں سے نقصان نہیں پہنچنا چاہیے اور ملاحظہ فرمائیے۔

خصلتان لا شیٔ افضل منھما الایمان باللہ والنفع للمسلمین

وخصلتان لا شیٔ اخبث منھما الشرک باللہ والضر بالمسلمین

(دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جس سے بہتر کوئی خصلت نہیں ہے۔ ایک اللہ پر ایمان لانا اور دوسرے مسلمانوں کو نفع پہنچانا اور دو خصلتیں ایسی ہیں کہ جن سے بدتر کوئی خصلت نہیں ہے۔ ایک شرک یعنی خدا کے سوا دوسرے کو معبود ماننا اور دوسرے مسلمان کو نقصان پہنچانا)

اس حدیث کے ذریعے نہایت مؤثر انداز میں مسلمانوں کو ہدایت کردی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کو نفع پہنچائیں۔ کیونکہ اس سے بہتر کوئی خصلت نہیں ہے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے سے زیادہ کوئی بری خصلت نہیں ہے۔

چند حدیثیں اور ملاحظہ فرمائیے۔

المسلم اخو المسلم لا یظلمہ ولا یسلمہ من کان فی حاجت اخیہ کان اللہ فی حاجتہ۔ ومن فرج من مسلم کربۃ فرج اللہ عنہ کربۃ من کربات یوم القیامۃ

(ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے۔ اپنے بھائی پر ظلم و زیادتی نہ کرنا چاہیے اور نہ اسے اذیت میں پڑا رہنے دینا چاہیے جو مسلمان اپنے بھائی کی حاجت روائی میں رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے اور جو کسی مسلمان بھائی کی ایک تکلیف رفع کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے غمہائے قیامت میں سے ایک غم رفع کرے گا)

اس حدیث میں زیادہ وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلی تو یہ بات بتلائی گئی ہے کہ مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ظاہر ہے کہ بھائی کے ساتھ برادرانہ سلوک کرنا واجب ہے۔ اس طرح ایک مسلمان دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک اور برتاؤ کرے گا۔ اس کے بعد آگاہ کر دیا گیا کہ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ دوسرے مسلمان پر ظلم اور زیادتی کرے۔ صرف اس پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا؛ بلکہ یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ اس کو غم والم اور تکلیف واذیت میں پڑا نہ رہنے دینا چاہیے۔ بلکہ جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی کی تکلیف کو برداشت نہیں کرسکتا اور اس تکلیف سے اپنے بھائی کو نجات دلانے کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح ہر ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ ہونا

چاہیے ۔ یعنی اس کی تکلیف و اذیت کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ۔ اس کے بعد اس طرزِ عمل کا اجر و جزا اور بدلہ و ثواب بتلا دیا گیا ہے جو مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کی حاجت روائی میں رہتا ہے ۔ اس طرزِ عمل کا بدلہ یہ ہے کہ خدا اس کی حاجت روائی میں رہتا ہے ۔

اس قسم کی اور بھی بہت سی حدیثیں ہیں جن میں مسلمانوں کو توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کریں ۔ ایک دوسرے کی معاونت کریں ، متحد رہیں ، آپس میں لڑیں نہیں اور اگر اتفاقیہ آپس میں جھگڑا بھی ہو جائے تو تین دن سے زیادہ اس کو قائم نہ رکھیں ۔ تین دن کے بعد آپس میں مصالحت کر لیں ۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ حدیث کہتے ہیں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اقوال ، احکام اور ہدایات کو اور قرآن کے بعد مسلمانوں کے نزدیک حدیث کا مرتبہ ہوتا ہے اور حدیثوں پر مسلمان اسی طرح عمل کرتے ہیں ، جیسا کہ قرآن کے احکام پر عمل کرتے ہیں ۔

یہ تھی وہ تعلیم اخوت جس نے مٹھی بھر مسلمانوں کے اندر وہ لازوال اور ناقابلِ شکست طاقت پیدا کر دی تھی کہ انہوں نے چند دنوں کے اندر ہی نصف دنیا کو فتح کر ڈالا ۔ حقیقت یہ ہے اسلام کے علاوہ کسی مذہب نے باہمی اخوت و محبت کی ایسی تعلیم نہیں دی ۔ قیاس کیجیے کہ اس تعلیم و اخوت کے ساتھ ایک خدا پر ایمان لانے کی طاقت نے مل کر مسلمانوں میں کتنی اور کیسی طاقت پیدا کر دی ہو گی اور جب نظم اور ڈسپلن کی تعلیم کو بھی اس کے ساتھ ملا لیا جائے جو اسلام نے دی ہے تو اس میں شبہ نہیں رہ جاتا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو تھوڑے ہی عرصہ میں انسانوں سے فرشتہ بنا دیا تھا ۔ ان تعلیمات کے بعد ان کے اندر کائنات عالم کی تسخیر کے لیے جو بے پناہ قوت پیدا ہو گئی تھی وہ محیر العقول ضرور ہے ۔ لیکن خلافِ قیاس نہیں ہے ۔

ساری کائنات اور جملہ مخلوقِ الٰہی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی رحمت و شفقت

سوامی برج نرائن سنیاسی

دنیا کے پیغمبروں اور اوتاروں میں سب سے زیادہ ناانصافی اگر کسی کے ساتھ کی گئی ہے اور سب سے زیادہ ظلم اگر کسی پر روا رکھا گیا ہے اور سب سے زیادہ جھوٹ اگر کسی کے متعلق بولا گیا ہے۔ تو وہ رسولِ کائنات حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ بہت کم دنیا کے مصلح، ریفارمر، امام، اوتار اور پیغمبر ہیں جن پر خود اپنوں اور غیروں کی طرف سے ظلم و زیادتی نہ کی گئی ہو۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یحییٰؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے ساتھ ظلم و زیادتی کی گئی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پر نمرود نے ظلم کیا اور اُن کو آگ میں جھونک دیا۔ حضرت زکریاؑ کو آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا۔ حضرت موسیٰؑ پر فرعون نے ستم ڈھائے۔ اس طرح بے شمار ظلم و ستم پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بھی کیے گئے ہیں۔ انؐ پر پتھر برسائے گئے اور پتھر برسا کر انؐ کے جسم کو لہولہان کر دیا گیا۔ انؐ کا بائیکاٹ کیا گیا اور ہر قسم کا تعلق بند کر دیا گیا۔ انؐ کے راستوں میں کانٹے بچھائے گئے۔ انؐ

کی پیٹھ پر غلاظت بھری اوجھڑی لاد دی گئی۔ ان کے ساتھیوں پر طرح طرح کے ظلم توڑے گئے۔ ان کے قتل کی سازش کی گئی۔ انؐ کو وطن سے جلاوطن کیا گیا اور پھر ان کا تعاقب بھی کیا گیا کہ مل جائیں تو قتل کر دیں اور جب اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو انؐ پر حملے اور یورشیں ہونے لگیں اور انہوں نے دوسروں کو بھڑکا کر ان کو بھی ظلم و ستم پر آمادہ کر دیا۔ لیکن ان سب سے زیادہ جو ظلم پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر کیا گیا۔ وہ یہ تھا اور ہے کہ متعصب مؤرخین کی جانب سے طرح طرح کے بہتان آپؐ پر تراشے گئے اور قسم قسم کے الزام لگا کر آپؐ کو دنیا کی نگاہوں میں وحشی و خونخوار اور بے رحم دکھایا گیا۔

چونکہ عیسائیت اسلام کو اپنا حریف سمجھتی تھی اور اسلام کے مقابلے میں اس کا فروغ ناممکن تھا۔ اس لیے عیسائیوں نے اسلام کو ہندوستان میں ایک خاص رنگ میں پیش کرنا شروع کیا۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ اہلِ ہند کو پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت پیدا ہو اور عیسائیت کے لیے دروازہ کھلے؛ چنانچہ ہندوستان کی تہذیب و روایات کو سامنے رکھتے ہوئے سب سے زیادہ آسان طریقہ یہ نظر آیا کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ایک خونخوار اور بے رحم (نعوذ باللہ من ذالک) انسان دکھلایا جائے اور یہی کیا گیا اور اس میں اس وجہ سے ایک حد تک کامیابی ہوئی کہ ہندوؤں نے اسلامی تاریخ، مذہب اسلام اور داعیِ اسلام کی سیرت کا بہت کم مطالعہ کیا تھا۔ عیسائیوں نے جھوٹے واقعات کو جس طرح چاہا رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کر دیا اور ہندوؤں نے سچ سمجھ کر ان کو قبول کر لیا اور اس کے مطابق اپنی رائے قائم کر لی۔ اس انداز سے مسلمانوں کے متعلق ہندوؤں کے دلوں میں ناخوشگوار کیفیت میں اور اضافہ ہو گیا اور فرقہ وارانہ کشیدگی نے بہت زیادہ بری صورت حال پیدا کر دی۔ لیکن حقیقت بہر حال حقیقت

ہے اگر بغض وعناد کی پٹی آنکھوں پر سے اتار دی جائے۔ تو پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نورانی چہرہ ان تمام داغ دھبوں سے پاک صاف نظر آئے گا۔ جو بتلائے جاتے ہیں، کہ آپؐ کے چہرہ پہ ہیں۔

آریہ سماج اور اسلام میں گویا ایک طرح کی جنگ برپا رہی ہے اور اس نے دونوں کو سخت نقصان پہنچایا ہے اور سب سے زیادہ نقصان ملک کو پہنچایا ہے اور اس طرح گویا میں جنگجو فریقوں میں سے ایک فریق کا ممبر ہوں اور اس طرح خود ایک فریق ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ اس جنگ نے کسی کو فائدہ نہیں پہنچایا اور اب ضرورت ہے کہ ٹھنڈے دل سے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سوانح زندگی اور آپؐ کے اقوال و اعمال کو دیکھا جائے اور جو غلط فہمیاں ہیں۔ وہ دور کی جائیں اس طرح ویدک دھرم کا مطالعہ کیا جائے اور اس کے متعلق جو بدگمانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ وہ رفع کی جائیں۔ دراصل آریہ سماج کو اسلام کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ اس کی چودہ سو سال کی محنت سے مورتی پوجا نہ صرف یہ کہ دنیا سے اٹھ گئی؛ بلکہ ہندوستان کی فضا بھی اس کے لیے تیار ہو گئی اور آریہ سماج کو تیار کھیت مل گیا۔ اس طرح اسلام کو یا مسلمانوں کو خوش ہونا چاہیے کہ غیر خدا کی پرستش، جس کے مٹانے کے لیے اسلام آیا تھا، اس کا ایک معین مددگار پیدا ہو گیا۔ جو ہندوستان کی مذہبی فضا میں خدا پرستی قائم کرنا اور بت پرستی کو دور کرنا چاہتا ہے۔

ہندوستان کے مناسب حال دو ہی الزام پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لگا کر آپ کو بدنام کرنے کی (ناکام) کوشش کی جا سکتی تھی۔ ایک یہ الزام کہ آپ سخت جنگجو تھے اور ہمیشہ اپنے پڑوسیوں اور ہم وطنوں سے لڑتے رہے۔ دوسرا الزام قربانی کے بنا پہ بے رحمی و خونخواری کا ہے۔ ہندوستان کی تہذیب کچھ اس قسم کی واقع ہوئی ہے

کہ ایسے الزامات کو بہت جلد قبول کر لینے کی صلاحیت یہاں کے لوگوں میں موجود ہے بودھ ازم اور جین ازم کی وجہ سے "اہنسا" کا عام خیال دلوں میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ اس بنا پر اس الزام کو بلا تحقیق قبول کر لینے کی استعداد ہندوستان کے مزاج میں پہلے ہی سے موجود تھی۔

پہلا الزام جنگجوئی کے متعلق خود انگریز مورخوں نے تحقیق کر کے غلط ثابت کر دیا ہے اور یہ حقیقت دنیا کے سامنے آگئی ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جنگ بھی جارحانہ نہیں کی! بلکہ ہر ایک موقع پر مدافعانہ لڑائی لڑنے پر آپؐ کو مجبور کیا گیا مگر میں اس الزام سے اس مضمون میں بحث نہیں کروں گا۔ کیونکہ اب یہ اتنا وقیع نہیں رہا اور اصل حقیقت بالکل بے نقاب ہو چکی ہے۔

رحمتِ محمدیؐ کا خدائی دعوےٰ

البتہ دوسرے الزام، بے رحمی و سنگدلی کے متعلق اس مضمون میں بحث کی جائے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ کے اقوال و اعمال کا سرسری نظر سے بھی مطالعہ کیا جائے تو پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے رحمی و سنگدلی کا الزام لگانا حد درجہ کی بے رحمی اور سنگدلی کا ثبوت دینا ہوگا۔ سب سے پہلی چیز تو یہ ہے کہ خدا نے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم نے تم کو تمام کائنات کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے! چنانچہ قرآن حکیم میں ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم!) ہم نے تم کو نہیں بھیجا مگر تمام عالموں کے لیے رحمت بنا کر (یعنی ہر اک عالم کے لیے سراپا رحمت د

شفقت بنا کر بھیجا ہے. یہ دعویٰ محدود نہیں ہے بلکہ عام ہے یعنی خدا نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ہم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو صرف مسلمانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے؛ بلکہ اس دعویٰ میں عالم انسانیت کی بھی قید نہیں ہے؛ بلکہ جتنے عالم بھی ہیں خواہ عالم انسان ہو یا عالم حیوان یا عالم نباتات ہو یا جمادات غرضیکہ کل کائنات اس دعویٰ میں شامل ہے اور کائنات کی ہر مخلوق پر سراپا رحمت بنا کر آپ کو بھیجنے کا دعویٰ خدا نے کیا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق یہ ایک دعویٰ ہے جو ڈنکے کی چوٹ کیا گیا ہے اور صدہا سال تک کی معاند اور دشمنی کو بھی اس دعوے کے جھٹلانے کی ہمت نہیں پڑی. پیغمبر اسلام کو ایسی قوم اور ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا جو شب و روز لوہ میں لگے رہتے تھے کہ کوئی الزام لگائیں یا موقعہ ملے تو جھٹلائیں یا کوئی غلط دعویٰ ہو تو اس کی تردید کریں. مگر ۲۳ سال کی مدت میں کسی ایک متنفس کو بے رحمی و سنگدلی تو ایک طرف رہی معمولی سے معمولی الزام لگانے کی جرأت نہ ہوئی. حالانکہ منافقین کی ایک جماعت اندرونی اور بیرونی زندگی کے ایک ایک خدوخال سے واقف و آگاہ تھی اور ان کے سامنے اسی خدا کا جس کو جھٹلاتے تھے یہ دعویٰ تھا کہ "ہم نے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سارے عالمین کیلئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا ہے"۔ اگر اس دعویٰ کے خلاف دشمنوں کو ذرا سی بھی گنجائش ملتی تو فوراً اعتراض کر کے اس دعویٰ کو جھٹلاتے مگر انتہائی دشمنی اور شب و روز کی اس لوہ اور فکر کے باوجود وہ آپ پر صرف ایک ہی الزام لگا سکے کہ آپ بت پرستی کے خلاف واعظ کہتے ہیں اور ہمارے مذہب سے ہماری قوم کو گمراہ کرتے ہیں اور ہمارے باپ دادا جن بتوں کی پرستش کرتے

تھے۔ ان سے ہمیں باز رکھنا چاہتے ہیں۔ پس یہی الزام تھا جو آپؐ پر لگایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا الزام نہیں لگایا گیا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بے رحمی و سنگدلی کا اگر کوئی ایک واقعہ بھی ملتا۔ تو ایسے شدید مخالفین کی نظر اس پر ضرور پڑتی اور خدائی دعویٰ کی تردید اور اس کے جھٹلانے کے واسطے الزام دہی کے لیے اس کو ضرور پیش کیا جاتا۔

اس کے ساتھ ہی دوسرا دعویٰ کیا گیا اور آپ کو "رؤف" اور "رحیم" کے خطاب سے پکارا گیا پھر بھی اس خدائی دعویٰ کے جھٹلانے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس خدائی دعویٰ کے اس قدر مصداق تھے اور آپ کی زندگی اس درجہ سراپا شفقت و رحمت تھی کہ خدا کو آپ کی حد سے زیادہ نرمی کے متعلق آگاہ کرنا پڑا کہ اس قدر نرمی بھی مناسب نہیں ہے اور ارشاد فرمایا گیا "وَاَغْلُظْ عَلَيْهِمْ تھوڑی سی سختی بھی کیجیے۔ جس خدا نے یہ کہا ہو "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہاری ذات رؤف و رحیم اور سراپا رحمت ہے" وہ درشتی کا حکم اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک کہ آپؐ کی نرمی کے مقابلہ میں دشمنوں کا ظلم و ستم حد سے زیادہ نہ بڑھ گیا ہو۔

رحمدلی کے بعض واقعات

رحمدلی کا سب سے بڑا ثبوت تو یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں اور اپنے ستانے والوں سے کبھی کوئی انتقام نہیں لیا بلکہ ان لوگوں کے حق میں کبھی کوئی بددعا بھی نہیں کی۔ جنہوں نے آپؐ پر انتہائی وحشیانہ مظالم کیے آپ جب اپنے مشن کی تبلیغ اور پرچار کے لیے طائف گئے تو وہاں آپؐ پر اس قدر

پتھر برسائے گئے کہ آپ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو آپؐ سے کسی نے کہا: "ان ظالموں کے لیے بددعا کیجیے" تو اس وقت آپؐ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ جس کے معنی یہ ہیں "خدایا! میری قوم کو سیدھا راستہ دکھا کہ یہ مجھ کو نہیں جانتے" قدرتی طور پر اگر ایسے وقت میں اور کچھ نہیں تو دل میں رنج و غصہ ضرور پیدا ہوتا ہے اور دل کا رنج زبان پر آ جاتا ہے۔ یعنی زبان ہی سے سہی برے الفاظ ضرور نکل جاتے ہیں، جو دل کی کیفیت کے ترجمان ہوتے ہیں۔ مگر اس عالی ظرف اور رحم دل انسان کو دیکھیے کہ اس قدر تکالیف اور صدمات برداشت کرنے کے بعد بھی ظالموں کے لیے زبان سے اگر کوئی کلمہ نکلا تو وہ دعا ہی تھی۔ کیا یہی ایک واقعہ آپؐ کی فطری رحمدلی کا ثبوت نہیں ہے؟

ایک اور واقعہ آپؐ کی رحم دلی کا شاہد ہے۔ بدر کی جنگ میں جب آپ کو شاندار فتح حاصل ہوئی تو بہت سے قیدی بھی گرفتار ہو کر آئے۔ وہ رات بھر ایک جگہ مشکیں کسے ہوئے پڑے رہے۔ حضرت عباسؓ جو آپؐ کے چچا تھے اور بعد میں مسلمان ہو گئے وہ بھی قیدیوں میں تھے۔ حضرت عباسؓ کی مشکیں ذرا زور سے کسی ہوئی تھیں جس کی وجہ سے وہ کراہ رہے تھے۔ آپؐ کے کانوں میں حضرت عباسؓ کے کراہنے کی آواز پہنچی تو آپؐ نے اپنے اصحابؓ سے ان اسیروں کے متعلق مشورہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے یہ مشورہ دیا کہ "سب کو قتل کر دیا جائے"۔ مگر حضرت ابوبکرؓ نے مشورہ دیا کہ "سب کو چھوڑ دیا جائے"۔ آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کو قبول کر لیا۔ حالانکہ ان اسیروں میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو آپؐ کی جان کے دشمن اور آپؐ کے خون کے پیاسے تھے۔ یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس وقت جنگ کا یہ عام دستور تھا کہ دشمن کے آدمی اگر گرفتار ہو جائیں تو اُن کا

قتل کر دینا عین آئین جنگ کے مطابق سمجھا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے دن کا نظارہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحم دلی اور شفقت و رحمت کا ثبوت ہے۔ جو تاریخ کے صفحات میں ڈھونڈھنے سے نہیں مل سکتا۔

مکہ پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا نہایت عزیز اور پیارا وطن تھا۔ آپؐ کے تمام اعزا وہیں تھے۔ مگر وہاں کے باشندوں نے جب تک آپؐ وہاں رہے۔ طرح طرح کے مظالم آپؐ پر کئے۔ آپؐ کے قتل کا انعام مقرر کیا آپؐ کے خلاف قتل کی سازشیں کیں اور آپ کو جلا وطن ہونے پر مجبور کر دیا اور جب آپؐ وطن عزیز کو خیرباد کہہ کر وہاں سے چل دیئے تو آپ کا تعاقب کیا تاکہ اگر آپؐ مل جائیں تو آپؐ کا کام تمام کر دیں۔ پھر جلا وطنی کی حالت میں بھی آپؐ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا۔ مگر اس کے باوجود جب آپ نے مکہ فتح کر لیا تو شہر میں یہ کہتے ہوئے آپؐ داخل ہوئے۔
أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (تم آزاد ہو۔ تم پر آج کوئی تاوان نہیں ہے اور نہ باز پرس ہے)

آپ نے عام معافی دے دی حالانکہ یہی وہ مکہ والے تھے جنہوں نے آپؐ کو دیس سے نکالا تھا اور قتل کی سازش کی تھی اور آپؐ کے سر کا انعام مقرر کیا تھا اور کوئی سختی اور کوئی ظلم اٹھا نہیں رکھا تھا اگر آپ چاہتے تو ایک ایک سے بدلہ لے سکتے تھے۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم چونکہ سراپا رحمت تھے۔ اس لئے آپ نے ہر ایک سرکش اور ظالم کو معاف کر دیا۔ اس قدر ظلم و ستم سہنے کے بعد قابو پانے پر اس طرح تمام ظالم خونخوار دشمنوں کو معاف کر دینا کیا انتہائی رحم دلی کا ثبوت نہیں ہے۔ یہ تو دو تین واقع بیان کئے گئے ہیں۔ اس قسم کے سینکڑوں واقعات آپ کی زندگی میں موجود ہیں۔

رحمدلی کے احکام و ہدایات

اب ہم آپ کی تعلیمات میں سے کچھ حصہ جو رحمدلی سے تعلق رکھتا ہے. نقل کرتے ہیں جس سے پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شفقت و رحمت علی المخلوق کا اندازہ ہو سکے گا. آپؐ نے فرمایا ہے: "اللہ تعالیٰ نرمی کرتا ہے. نرمی کو پسند کرتا ہے. نرمی سے خوش ہوتا ہے اور اس شخص کی مدد کرتا ہے جو کسی پر سختی نہیں کرتا. پس جب تم ان بے زبان جانوروں پر سوار ہو. تو ان کو ان کی منزلوں پر اتارو اور اگر زمین صاف ہو یعنی چٹیل میدان ہو اور گھاس وغیرہ نہ ہو تو جلدی سے نکال لے جاؤ" (مفہوم)

پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس ارشاد مبارک میں مسلمانوں کو بتلا دیا ہے کہ جانوروں کے ساتھ بھی انصاف اور رحم کرنے کی ضرورت ہے اور ان کے ساتھ انصاف کرنے کے یہی معنی ہیں کہ جتنا بوجھ وہ برداشت کر سکتے ہیں. اس سے زیادہ ان پر نہ لادا جائے یعنی بجائے ایک منزل کے دو منزل چلنے پر مجبور نہ کیا جائے اور ان کے گھاس پانی کا خیال رکھا جائے. ایسے پڑاؤ پر نہ ٹھہرایا جائے جہاں ان کے چرنے کے لیے گھاس وغیرہ نہ ہو.

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے: "ہر ایک تشنہ جگر کو پانی پلانا ثواب کا کام ہے": پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حدیث اس وقت ارشاد فرمائی تھی جب سراقہ بن مالک نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ اگر کسی کا بھولا بھٹکا جانور میرے حوض پر آجائے اور میں اس کو پانی پلا دوں تو کیا اس میں مجھے ثواب ملے گا؟ اس وقت آپ نے فرمایا تھا کہ "ہر اک تشنہ جگر کو پانی پلانا ثواب ہے (مفہوم) اِن دونوں حدیثوں سے اندازہ ہو سکتا

ہے کہ کس قدر رحم دل تھے کہ جانوروں تک کا خیال رکھتے تھے۔

" اللہ اس شخص پر رحم نہیں کرتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا" یہ حدیث عام ہے۔ اس میں "شخص" کا لفظ ہے جو تمام عالم انسانیت پر حاوی ہے اور مسلم وغیر مسلم، مومن وکافر اور خویش وبیگانہ کی کوئی قید نہیں ہے۔ سب پر رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلمان ہوں اور پھر دیکھیے کہ بلیغ انداز میں انسانوں پر رحم کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ "اگر تم لوگوں پر اور انسانوں پر رحم نہ کروگے۔ تو خدا تم پر بھی رحم نہ کرے گا۔" کیسا مؤثر انداز نصیحت ہے۔ اس حکم کے بعد مسلمان آپؐ کو خدا کا سچا رسولؐ یقین کرتے ہیں اور ان کا عقیدہ یہ ہے کہ آپؐ کی زبان مبارک سے جو لفظ نکلتا ہے۔ وہ آسمانی وحی کے مانند ہوتا ہے اور اس کے صحیح ہونے اور پورے اترنے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کو جب یہ حکم دیا جائے گا کہ اگر تم لوگوں پر اور عام انسانوں پر رحم نہ کروگے تو خدا بھی تم پر رحم نہ کرے گا جس کے رحم کے تم ہر وقت محتاج ہو تو لازماً اس حکم پر کمال سختی سے عمل کیا جائے گا۔ اس سے زیادہ مؤثر انداز میں رحم دلی کی تعلیم اور لوگوں کے ساتھ شفقت ومہربانی کے ساتھ پیش آنے کی ہدایت کیا کوئی کرسکتا ہے اور کیا کوئی منصف مزاج آدمی ایسے شخص پر جو رحم دلی کا ایسا سبق اپنے پیروؤں کو دے اور ایسے مؤثر انداز میں مخلوق خدا پر شفقت ومہربانی کرنے کی ہدایت کرے۔ بے رحم اور سنگدل ہونے کا الزام لگا سکتا ہے ؟ یقیناً سوائے ان اشخاص کے جن کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہو اور جو خود اس قدر بے رحم اور سنگدل ہوں کہ دوسروں کے ساتھ انصاف کرنے پر بھی آمادہ نہ ہوں۔ صرف وہی لوگ رحم اور شفقت علی المخلوق کی ایسی صاف وصریح تعلیم وہدایت کے باوجود پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے رحمی وسنگدلی کا الزام لگا سکتے ہیں۔

ایک اور حدیث ملاحظہ ہو:-

خَیْرُ النَّاسِ مَنْ یَّنْفَعُ النَّاس (وہی آدمی بہتر ہے جس سے لوگوں کو فائدہ پہنچے)

یہ حدیث بھی عام ہے اور اس میں بھی تمام مخلوقِ خدا کی نفع رسانی کی ہدایت کی گئی ہے اور کسی قسم کی مومن و کافر، مسلم وغیر مسلم اور خویش و بیگانہ کی تخصیص نہیں کی گئی ہے! بلکہ مطلق "ناس" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جس میں تمام انسان شامل ہیں اور عالم انسانیت کا کوئی فرد اس حکم سے خارج نہیں ہے۔ اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ سب سے بہتر آدمی وہی ہے جو لوگوں کو بلا کسی تخصیص کے فائدہ پہنچائے اور جس سے بلا تخصیص ہر ایک شخص کو نفع پہنچے۔

نفع رسانی خود رحم و شفقت کا ایک لازمی جزو ہے۔ بے رحم اور سنگدل انسان کبھی کسی کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ نفع اس سے لوگوں کو پہنچ سکتا ہے جس کے دل میں رحم ہو۔ بلکہ نفع رسانی، رحم دلی کا سب سے بڑا مظاہرہ ہے اور رحم دلی کا سب سے زیادہ مؤثر اظہار نفع رسانی ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔ ایک اپاہج بیمار پر رحم اس طرح ہو سکتا ہے کہ اس کے علاج کا بندوبست کیا جائے اور اس کے خورد و نوش کا انتظام کیا جائے۔ یہی رحم ہے کوئی شخص کسی مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس کو اس مصیبت سے نجات دلانا رحم ہے اور یہ دونوں صورتیں نفع رسانی ہی کی ہیں۔ گویا نفع رسانی اور رحم دو مترادف الفاظ ہیں اور رحم بغیر نفع رسانی کے متصور ہی نہیں ہو سکتا۔ بہرحال اس چھوٹے سے فقرہ میں پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بتلا دیا ہے کہ رحم اور شفقت کسے کہتے ہیں اور بہتر آدمی کون ہے

یہ چند اقوال ہیں۔ اگر کوئی شخص صرف ان احادیث ہی کو جمع کرے جو تعلیم رحم سے متعلق ہیں۔ تو ایک دفتر بن سکتا ہے۔ مثلاً ایک حدیث میں آتا ہے " راستہ سے

اذیّت دینے والی چیزوں کا ہٹا دینا بھی صدقہ و خیرات کے برابر ثواب کا کام ہے۔"
مثلاً روڑے، پتھر، کانٹے، شیشے کے ٹکڑے اور چھلکے وغیرہ۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی راہ گیر کو ان سے تکلیف و اذیّت پہنچ جائے۔ یہ کام بغیر جذبۂ رحم کے متشکل نہیں ہو سکتا۔ راستہ سے ایسی اذیّت دہ چیزیں وہی شخص ہٹائے گا جس کے دل میں دوسروں کے لیے رحم ہوگا اور اسے یہ خیال ہوگا کہ ممکن ہے اس سے کسی کو تکلیف پہنچ جائے۔ اس لیے اس کا ہٹا دینا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ سایہ دار درختوں کو بلا وجہ کاٹنا بھی ممنوع قرار دیا گیا ہے یہ صرف اس لیے کہ مخلوق کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ تالاب اور دریا وغیرہ کو کسی کی ملکیّت نہیں قرار دیا گیا۔ یعنی تالاب اور دریا کے پانی اور پانی کے اندر کی تمام چیزیں عام ملکیّت قرار دی گئی ہیں۔ یعنی کوئی شخص کسی تالاب اور دریا کے پانی اور مچھلی سے فائدہ اٹھانے سے کسی دوسرے شخص کو روک نہیں سکتا۔ اسی طرح جنگل کی خود رو گھاس بھی عام مخلوق کی ملکیت ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کو اس سے نفع اٹھانے سے روک نہیں سکتا ان سب احکام سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی کا ثبوت ملتا ہے۔

اس کے علاوہ سزا دہی میں تمام وحشیانہ سزاؤں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً منہ پر مارنے کی ممانعت ہے۔ جانوروں کو بے رحمی سے مارنے کی ممانعت ہے۔ زندہ آگ میں جلانے کی ممانعت ہے۔ ہاتھ پاؤں ناک کان کاٹنے کی ممانعت ہے اور کوئی ایسا کام کرنا جس سے مخلوقِ خدا کو تکلیف پہنچتی ہو۔ یا ان کی نفع اندوزی کا سلسلہ منقطع ہوتا ہو۔ ان سب باتوں کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔ مثلاً اس امر کی کسی کو اجازت نہیں ہے کہ ایک ایسا جنگل جہاں لوگوں کے جانور چرتے ہوں۔ اس کو آگ لگا کر برباد کر دیا جائے۔ کیونکہ اس سے جانوروں کو تکلیف پہنچے گی یا مثلاً کسی تالاب کے پانی کو برباد کر دینا جس سے لوگ اپنی

ماجتیں پوری کرتے ہوں۔ کسی طرح جائز نہیں ہے۔ دنیا میں غلاموں کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ تاریخ بین حضرات سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان کے ساتھ جانوروں سا سلوک کیا جاتا تھا۔ جانوروں کی طرح ان کو سزا دی جاتی تھی۔ نہ تن ڈھانپنے کے لیے ضرورت کے موافق انہیں کپڑا دیا جاتا تھا۔ نہ پیٹ بھر کر انہیں روٹی ملتی تھی۔ مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کا رتبہ آزاد لوگوں کے برابر کر دیا۔ ان کے متعلق حکم دیا۔ "جو خود کھاؤ وہی ان کو کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ اور ان کی قوت برداشت سے زیادہ ان سے کام نہ لو اور سب سے زیادہ ثواب کا کام غلام کو آزاد کرنا بتلایا۔ ان کو ذلیل سمجھنے کی ممانعت کی اور ایک جنگ میں معزز ترین قریش کے سرداروں پر اپنے ایک غلام کو سردار بنا کر عملاً سبق دیا کہ وہ تمہارے برابر ہیں۔

یہ سب کچھ جذبہ رحم اور شفقت علی المخلوق کا بین ثبوت ہے۔ کیا اس کے بعد بھی کوئی پیغمبر اسلام صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر بے رحمی کا الزام لگا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کے اس دعویٰ کی کہ "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خدا نے ساری کائنات کے لیے سراپا رحمت و شفقت بنا کر بھیجا ہے" آپؐ کے اعمال و اقوال سے حرف بہ حرف تصدیق ہوتی ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ آپ رحمۃ للعالمین تھے" اور جن لوگوں نے آپؐ پر بے رحمی کا الزام لگایا ہے۔ وہ خود حد درجہ کے بے رحم احد درجہ کے سنگدل اور حد درجہ کے متعصب تھے اور ہیں اور وہ آنکھیں رکھنے کے باوجود اندھے ہیں۔
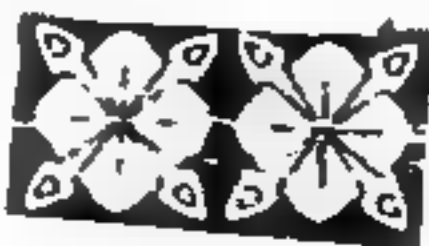
پیغمبرِ اسلام کا رہن سہن

جناب پنڈت سُندر لال صاحب

مدینہ میں محمد صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی، گھریلو جیون اور فقیری دونوں کا ایک عجیب میل تھا۔ آخیر تک ان کا رہن سہن حد درجہ کا سادہ اور محنتی تھا۔ سرکاری ٹیکس یا زکوٰۃ یا صدقہ سے ایک کوڑی بھی اپنے یا اپنے گھر والوں کے لیے لینا وہ حرام سمجھتے تھے۔ خاص خاص لوگوں سے ہدیہ یا بھینٹ لیتے تھے، لیکن ضرورت سے زیادہ کبھی نہیں۔ رات کو اگر کچھ سامان بچتا تھا، تو وہ غریبوں میں بٹوا دیتے تھے۔ اگلے دن کے لیے بچا کر رکھنے کو وہ اللہ میں بشواش کی کمی بتاتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ کبھی کبھی تین تین دن انہیں اور ان کے گھر والوں کو لگاتار فاقہ کرتے ہو جاتے تھے۔ صرف کھجور اور پانی پر انہیں مہینوں بیت جاتے تھے۔ ان کی موت کے بعد (اُم المومنین حضرت) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے ایک بار کہا تھا "کبھی کبھی مہینوں بیت جاتے تھے اور محمد صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے گھر میں چولہا نہ جلتا تھا۔" کسی نے پوچھا "تو آپ لوگ زندہ

کیسے رہتے تھے ؟ جواب دیا۔ ان دو کالی چیزوں کے سہارے (کھجور اور پانی) اور کچھ مدینے والے ہمیں بھیج دیتے تھے۔ (اُمّ المومنین حضرت) عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) کا کہنا ہے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے کبھی ایک دن میں دو طرح کے کھانے کی چیزوں کا سواد نہیں لیا۔ ہمارے گھر میں چھلنی نہیں تھی۔ ہم اناج کوٹ کر اس کا چھلکا پھونک مار کر اڑا دیتے تھے۔ رات کو کئی بار گھر میں دیا جلانے کے لیے تیل نہیں ہوتا تھا۔ حدیثوں میں لکھا ہے کہ "بھوک کے سبب محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلّم) کے پیٹ پر کبھی کبھی کپڑوں کے نیچے پتھر بندھا ہوتا، لیکن گھر میں اس بات کی کڑی مناہی تھی کہ کسی باہر والے کو گھر کی حالت کی خبر نہ ہونے پائے ایک بار بھوک کی تکلیف سے ان کی کسی بیوی نے بے چینی ظاہر کی۔ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے شانتی سے جواب دیا "جو ان دکھوں کو نہ سہہ سکے۔ اسے حق ہے کہ مجھ سے طلاق لے کر جہاں چاہے جا کر رہے۔" لیکن اخیر تک نہ انہوں نے کسی بیوی کو طلاق دیا اور نہ کسی نے انہیں چھوڑ کر جانا پسند کیا۔

اپنے گھر میں محمدؐ صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) اکثر اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتے تھے۔ اپنی بکریوں کو آپ دہتے تھے۔ اپنے ہاتھوں اپنے کپڑوں میں پیوند لگاتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے اپنی چپل گانٹھتے تھے۔ خود اپنے اونٹ کا کھرہرا کرتے تھے۔ کھجور کی چٹائی یا ننگی زمین پر سوتے تھے۔ ایک بار کسی نے پیٹھ پر بوریا کا نشان دیکھ کر اجازت چاہی کہ ایک گدا بچھا دیا جائے، تو محمدؐ صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں آرام کرنے کے لیے نہیں پیدا ہوا۔

مرتے وقت محمد صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) کا کوچ (زرہ) ڈیڑھ

من جَو کے بدلے گروی رکھا ہوا تھا۔ اس پر یہ حالت تھی کہ اگر کوئی مہمان ان کے یہاں آجاتا، تو خود بھوکے رہ کر اور کبھی کبھی اپنے گھروالوں کو بھوکا رکھ کر مہمان کو پریم کے ساتھ کھانا کھلاتے تھے۔ جب کہ ایران و روم اور ایتھوپیا کے راج دوت (ایلچی) محمدؐ صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) کے دربار میں آتے جاتے تھے۔ ان دنوں بھی عرب کا یہ انوکھا بادشاہ کبھی کسی طرح کے سنگھاسن، تخت یا اونچی جگہ پر نہیں بیٹھا۔ وہ عام لوگوں سے مل کر اسی طرح زمین پر آکر بیٹھ جاتے تھے۔ جس سے کسی کو کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا تھا اور اگر کوئی ان کے آنے پر عزت کے لیے کھڑا ہو جاتا، تو وہ دکھی اور ناراض ہوتے۔

محمدؐ صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) کبھی ریشمی کپڑا نہیں پہنتے تھے وہ کہا کرتے تھے کہ دھرم والے کو کبھی ریشمی کپڑا نہیں پہننا چاہیئے۔ رنگین کپڑا وہ کبھی کبھی پہن لیتے تھے، لیکن سفید رنگ کا موٹا سوتی کپڑا زیادہ پسند کرتے تھے اور اکثر ایسا ہی پہنتے تھے، وہ بلا سِلا کپڑا زیادہ پہنتے تھے۔

ان کے رہنے کا مکان کچّی اینٹوں کا بنا تھا۔ الگ الگ بیویوں کے لیے الگ الگ جھونپڑیاں تھیں۔ جن کے بیچ میں کھجور کی ٹہنیوں کی گارا لپٹی دیواریں تھیں چھاجن انہیں ٹہنیوں کا ہوتا تھا۔ ان کے گھر میں کوئی کواڑ نہ تھا۔ ان کی جگہ چمڑے یا کالے نمدے کے پردے لٹکے رہتے تھے۔

محمدؐ صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم) اونٹ یا بکری کا مانس کھا لیتے تھے، لیکن عام طور پر ان کا کھانا کھجور اور پانی یا جَو کی روٹی اور پانی ہوتا تھا۔ دودھ اور شہد انہیں پسند تھے، لیکن انہیں کھاتے کم تھے۔ ایک بار کسی نے بادام کا آٹا لاکر

انہیں بھینٹ کیا، لیکن انہوں نے یہ کہہ کر اسے لینے سے انکار کر دیا کہ "یہ فضول خرچ لوگوں کا کھانا ہے"۔ کچی پیاز اور لہسن سے انہیں اتنی سخت نفرت تھی کہ کبھی کوئی ایسی چیز نہ کھاتے جس میں کچی پیاز یا لہسن پڑا ہو اور نہ کسی ایسے آدمی کے پاس بیٹھنا پسند کرتے تھے۔ جس کے منہ سے پیاز یا لہسن کی بو آ رہی ہو۔ حکم تھا کہ کوئی آدمی مسجد میں کچی پیاز یا لہسن کھا کر نہ آئے۔

چھوٹے، بڑے سب کے ساتھ ان کا برتاؤ سدا ایک سا ہوتا تھا۔ بچوں سے انہیں خاص محبت تھی۔ راستہ چلتے چلتے رک کر بچوں کے ساتھ پریم کا برتاؤ کرنا ان کے لیے روز مرہ کی بات تھی۔ بیماروں کو دیکھنے جانا، کوئی چھوٹے سے چھوٹا، یا غلام بھی اگر دعوت دے تو خوشی سے ماننا ان کے سوبھاؤ کی خاص چیزیں تھیں۔

محمد صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی ایک خاص عادت تھی۔ کہ چھوٹے سے چھوٹے آدمیوں کے ساتھ بڑی محبت اور عزت کا برتاؤ کرنا، جھک کر چلنا، سب پر دیا کرنا، کسی کے کہے یا کیے کا برا نہ ماننا، اپنے اوپر قابو رکھنا، دل بڑا اور ہاتھ کھلا رکھنا۔ یہ محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سوبھاؤ کی وہ خاص باتیں تھیں، جو ہر وقت جھلکتی رہتی تھیں اور جن کی وجہ سے آس پاس کے سب لوگ ان سے پریم کرنے لگے تھے۔

غلامی کا رواج ان دنوں عرب اور دنیا کے زیادہ دیشوں میں موجود تھا۔ محمد صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کی بابت لکھا ہے کہ انہیں زندگی میں جتنے غلام ملے انہوں نے ان سب کو آزاد کر دیا۔ قرآن میں بار بار غلاموں کو آزاد کرنے یا کرانے دونوں کا بہت بڑا ثواب بتایا گیا ہے اور محمد صاحب (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

اس میں لوگوں کو خوب مدد دیتے رہتے تھے۔

وہ اکثر سوچ میں ڈوبے دکھائی دیتے تھے۔ کبھی کبھی ایک پریم بھری مسکراہٹ ان کے چہرے پر نظر آتی تھی۔ جب وہ پیدل چلتے، تو اکثر اتنا تیز چلتے کہ اکثر دوسروں کو بھاگ کر ان کا ساتھ دینا پڑتا۔

اپنے اپدیشوں میں وہ "میں تمہاری ہی طرح کا ایک آدمی ہوں" اس پر بار بار زور دیا کرتے تھے اور بار بار ہی اپنے گناہوں کی معافی کے لیے رو رو کر ایشور سے پرارتھنائیں کرتے تھے۔ قرآن میں ان دونوں باتوں کا کئی بار ذکر آیا ہے۔

قرآن میں ایک جگہ لکھا ہے۔

"کہو کہ اگر میں (محمدؐ) غلطی کروں، تو میرے لیے اور اگر میں ٹھیک راستہ پر چلوں تو اس ہدایت کی وجہ سے جو ایشور نے مجھے دی ہے۔ سچ مچ وہ سب کچھ سننے والا اور نزدیک ہے۔"

رسول اللہ ﷺ کی مکمل زندگی کے اخلاقِ حسنہ

رانا بھگوان داس بھگوان

"خلق" حیاتِ انسانی کی اعلیٰ قدروں کا مرقع ہے "خلق کا مفہوم اپنی معنویت و جامعیت اور افادیت میں بحرِ بے کنار ہے۔ تاریخ اخلاقیات کے صفحات شاہد ہیں کہ تہذیب کی منزلِ اولین سے ہی بنی نوعِ انسان نے اپنی معاشرتی زندگی میں اخلاقی قدروں کا تعین کیا۔ دانش و ادراک انسانیہ کے دوسرے عہد میں علمبردارِ صداقت سقراط کے صاحب ادراک عزیز شاگرد ارسطو کی اخلاقی تعلیمات کو شہرتِ تامہ حاصل ہوئی۔ روح اللہ کی تعلیمات کریمانہ، گوتم کے اصولِ اہنسا اور زرتشت کے ہدایاتِ عمرانیہ بھی اخلاقیات کے اعلیٰ درس تصور کیے گئے۔ بعثتِ نبوی سے قبل کے ہادیانِ مذاہب و معلمینِ فلسفہ کو بھی متنبین و مبلغینِ خلق قرار دیا گیا ہے۔

پیکرِ خاکی کی معاشرتی زندگی کے صحیفہ کا ورقِ کہنہ اس حقیقت کو پیش کرتا ہے کہ خالقِ اکبر نے نوعِ انسان میں مدنیت کے ساتھ ہی جذبۂ خلق کو بھی ودیعت فرمایا محبت و مقتضیاتِ محبت، رابطۂ باہمی، احتیاجات کا دباؤ، تکمیل تمنا کی آرزومندی کے جبلی تقاضے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ فطرت نے پیار و محبت کے بحرِ بے کنار ہی میں خلق

کے لولوئے لالا کی تخلیق فرمائی ہے ۔ بلاشک احتیاجات کے بڑھتے ہوئے تقاضوں اور صفات ابلیسیہ کی فسوں کاریوں کے تحت پیدا ہونے والی ستم ناکیوں پر پابندی عائد کر کے خلق و محبت کی جلوہ آرائی کی خاطر دانشورانِ وقت نے اخلاقیات کے آئین و ضوابط مدوّن کئے اور لاریب کہ ذہن بندی، ادراک یونانی، فراست رومی اور دانش ایرانی نے دنیائے خُلق کی آراستگی کا بہت کچھ نظریاتی ساز و سامان کیا تھا۔

برہمنیت کے سیلاب نے نقشِ گوتم مٹا ڈالا

لیکن صحیح نمونۂ عمل کے فقدان کے باعث نظریات نظریات ہی رہے اور ہند میں برہمنیت کے سیلاب نے نقش گوتم کو مٹا ڈالا۔ روح القدس کی تعلیمات پاپائیت اور استبداد کی دار و گیر میں گھر کر صرف کتابِ مقدس کی ہی زینت بن کر رہ گیئں۔ افلاطون، ارسطو کی تعلیمات تعلیم و تعلّم کی حد سے آگے نہ بڑھ سکیں۔ تعلیماتِ زرتشت کا چراغ بہت قلیل مدت میں خاموش ہو گیا جزیرہ نمائے عرب کے بسنے والے خلیل اللہؑ کی تعلیمات کو بھی بھلا بیٹھے۔ وادیٔ سینا یہود کی آماجگاہ بن گئی اور کلیم اللہؑ کے ارشادات ثواب اور صرف ثواب کی باتیں ہو کر رہ گئے۔ کنفیوشس کا ٹمٹماتا دیا بھی بادِ صرصر کے ایک ہی جھونکے سے بجھ گیا تھا۔

آہ! کہ اخلاقیات کے یہ سارے نظریات اپنا کوئی نقش چھوڑے بغیر اپنے صاحب نظر مفکرین کے ساتھ ہی دنیا سے ختم ہو گئے۔ یہاں تک کہ حضور خاتم النبییّن، پیکرِ خلق و محبت، محمد الرسول اللہ کی ولادت باسعادت سے پہلے اس ردائے نیلگوں کے نیچے کہیں بھی کوئی نقش اخلاق باقی نہیں رہا۔ فلکِ پیر دیکھ رہا تھا، کہ دنیا فسق و فجور، درندگی، بہیمیت بے عملی و بدعملی اور معصیت کا گڑھ بن چکی تھی۔ موجوداتِ عالم بارگاہِ کبریا میں فریاد کناں تھے۔

" مولیٰ! کرم فرما، یا ارحم الرحمین! شانِ رحیمی کا جلوہ دکھلا۔ ربّ العزت!

کائنات پر رحمتوں کا بارانِ کرم فرما اور کسی کامل و مکمل ، فیض گستر شخصیت کو مبعوث فرما۔ جو موجوداتِ عالم کے دکھ کا مداوا کرے۔ تیری کائنات کی تطہیر کرے اور دنیائے ارضی کو سنوارے۔ تیری رحمتوں کو اجاگر کرے"۔

آخر خلاقِ اکبر کے دریائے رحمت کو جوش آیا اور حق سبحانہ تبارک و تعالیٰ کی شانِ کبریائی کے جلوؤں کو بے نقاب فرما دیا۔ ربِ کائنات کی شانِ کریمی کے فیضان کے باعث جناب عبدالمطلب کے گھرانہ میں حبیبِ خدا کی ولادت باسعادت ہوئی۔ کلفتاں و عسرداں کا گھٹا ٹوپ اندھیرا چھٹنے لگا اور ضیائے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تابانی نے کائناتِ ارض و سما کے ذرّہ ذرّہ کو نورانی بنا دیا اور انوارِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی جلوتوں میں نورِ کبریا کی جھلکیاں نمایاں ہونے لگیں (خاتم النبیینؐ) کی تعلیماتِ عالیہ کے باعث خالقِ اکبر کا یہ کائناتی نظام صالح بن گیا۔ بنی نوعِ انسان کی زندگی کے ہر پہلو کو سنوار اگیا۔ عبادات سے قطعِ نظر محمد الرسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعلیمات نے زندگی کے ہر شعبہ کو نکھارا اور منزلِ رفعت پر پہنچا دیا۔ ہماری سماجی و عمرانی زندگی میں خوش خلقی کی صفت کو کافی اہمیت حاصل ہے۔ شیریں کلامی اور رحمت و شفقت اہم اجزائے خلق ہیں۔ قرآنِ مقدس میں اللہ تعالیٰ نے شیریں کلامی اور رحمت و شفقت کی ہدایت فرمائی ہے اور خالقِ کردگار نے صاحبِ ایمان انہیں کو قرار دیا ہے جو غیظ و غضب پر قابو پالیتے ہیں۔ عفو و رحم سے کام لیتے ہیں اور احسان کرتے ہیں، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ وَالْکَاظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔

اور محبوبِ رب العالمین نے ارشاد فرمایا ہے " شہ زور اور طاقتور وہ نہیں ہے۔ جو دوسروں کو پچھاڑ دے۔ بلکہ طاقتور وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے غصہ کو دبا دے " (مفہوم) ایک اور مقام پر ارشادِ مصطفویؐ ہے " کسی کے عیب کی تلاش مت کرو " (مفہوم) مزید ارشاد ہوا

"اور تم میں سے کوئی غیبت نہ کرے" (مفہوم) کتب احادیث، ابوداؤد و ترمذی میں حضرت خواجۂ کون و مکان کا یہ حکم مندرج ہے۔ "قیامت کے دن مومن کے اعمال کی ترازو میں کوئی چیز خوش خلقی سے زیادہ وزنی نہیں ہو گی اور اللہ تعالیٰ بدگو اور بدزبان شخص کو بہت بُرا سمجھتا ہے" (مفہوم) اللہ اللہ! ہادیٔ انسانیت کا یہ کتنا فقید المثال حکم ہے۔ کہ خلق و محبت کو نیکیوں میں سب سے ارفع قرار دیا ہے۔ ایک دفعہ حضرت ابوذرؓ نے ایک شخص کو مخاطب کیا "اے حبشی کے لڑکے" سرورِ کائناتؐ نے سُنا تو ارشاد فرمایا "ابوذرؓ! سفید آدمی کو سیاہ آدمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے" (مفہوم)

انبیاء کرام کی بعثت کے فلسفہ پر فکر کرنے سے یہ حقیقت واشگاف ہوتی ہے کہ انبیاءِ کرام کی بعثت کا منشا فلاح و بہبود اولادِ آدم ہے۔ سید المرسلین حضرت احمد مجتبیٰ کی سیرتِ مقدسہ کو خلاقِ اکبر نے بنی نوع انسان کے لیے نمونہ بنا کر پیش فرمایا ہے۔ قرآن حکیم میں رب العزت فرماتے ہیں۔

"رسول خدا کی ذات میں ایک بہترین نمونہ ہے"

حق تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ رسولِ خداؐ دنیا میں دنیا والوں کے اخلاق کی درستگی اور روحانی پاکیزگی کے لیے بطور نمونہ بھیجے گئے تھے اور حیاتِ طیبہ کی روشنی میں جناب سرورِ کائناتؐ کو ایک مکمل نمونۂ اخلاق تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ پیشوایانِ مذاہب، قائدینِ ملل اور مرسلینِ ادیان میں سید الاصفیا کی ذاتِ گرامی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ جو کچھ بھی آپؐ نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس پر بنفسِ نفیس عمل بھی فرمایا ہے۔

حضورؐ میں تمام انبیاء کی صفاتِ حسنہ بدرجہ کمال موجود تھیں

حضورِ انورؐ کی ذاتِ اقدس میں تمام مشاہیرِ عالم اور انبیاء کرام کی صفاتِ حسنہ بدرجہ

مال موجود تھیں، حضرت ابراہیمؑ کا استقلال، حضرت موسیٰؑ کی جوانمردی، حضرت ہارونؑ کی
رمی، حضرت ایوبؑ کا صبر، حضرت یعقوبؑ کی محبتِ پدری، حضرت داؤدؑ کی سپہ سالاری،
حضرت سلیمانؑ کا دبدبہ و عدل، حضرت یحییٰؑ کی سادگی، حضرت مسیح کی فروتنی اور جمیع مرسلین
عالم کے رفعت مآب جلوے ذاتِ والا گوہر میں پنہاں تھے۔

اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے تصدیق فرمائی ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ
سبحان اللہ! ربِ کائنات شہادت دے رہا ہے "اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم! تم
اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز ہو"

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

صحائف آسمانی میں کلام مجید اکمل ترین دستورِ الٰہی ہے۔ خدا کے اس پیام آخریں
کے حقائق و بصائر پر نگاہ رکھتے ہوئے اسوۂ جنابِ سرورِ عالم کے مطالعہ کی سعادت حاصل
کرنے والے پر یہ صداقت نمایاں ہوتی ہے کہ خواجۂ کون و مکان کے اخلاق و عادات قرآن
پاک کی عملی تصویر ہیں۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

حضرت امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں حضورؐ خادم کے ساتھ کھانا تناول فرماتے تھے۔
خادم کے کام میں مدد دیتے تھے۔ سلام میں اعلیٰ و ادنیٰ سب پر سبقت لے جاتے تھے۔
حضرت انسؓ بن مالک جنہیں دس سال خدمتِ اقدس میں حاضری کا شرف حاصل رہا
ہے حضورؐ کے اخلاقِ حسنہ کے تعلق سے نذرِ عقیدت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں

"میں نے دس سال جناب سرورِ کائنات کی خدمت کی ہے۔ سفر اور حضر میں جس قدر میں نے سیدِ عالمؐ کا کام کیا ہے۔ آپؐ نے اس سے زیادہ میرا کام کیا ہے"۔ ایک مقام پر حضرت انسؓ فرماتے ہیں: "میں دس برس خدمتِ اقدس میں رہا ہوں۔ لیکن سید المرسلینؐ نے کبھی نہ تو سخت لفظ فرمایا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ "یہ کام کیوں نہیں کیا"۔ کس قدر فقید المثال شفقت، کیسا بے نظیر تحمل و احسان اور رفیع الشان خلق ہے، کہ دس سال میں خدمت گذار کے لیے سخت لفظ یا سخت استفسار روا نہ رکھا گیا۔ اللہ اللہ! کرۂ ارض کے سارے آقا، آقائے یثرب پر قربان کہ جس نے خواجگی میں بھی خود اپنے ہی خادم کی خدمت فرمائی۔

وہ مقدس آقا جس نے اپنے خادم کی خدمت خود ہی فرمائی ہے

تمثیل گاہِ ارض پر دنیا نے ایسے بہت سے رہنما و قائد تو دیکھے ہیں جن کا نطق انسانیت نوازیوں اور خلقِ عالیہ کے بلند بانگ دعووں میں نغمہ سنج رہا ہے۔ لیکن ان کی اپنی نجی زندگانی کبھی ان کے دعویٰ کی صحیح ترجمان نہ بن سکی۔ آج کی متمدن، مہذب اور انسانیت نواز دنیا کے مشاہیر کی زندگانیاں بھی ان کے اپنے دعووں کی عکاسی نہیں کرتیں۔ اسٹیج پر شرافت، نجابت، تحمل و انصاف اور اخلاقِ فاضلہ کے افادات و برکات میں رطب اللسان رہنے والوں کی زندگیوں کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رحمت و کرم گستری کا لبادہ اوڑھنے والے خود اپنے خادمین و ملازمین کے ساتھ مشفقانہ و کریمانہ سلوک نہیں کرتے۔ دورِ حاضر میں اربابِ اقتدار، قائدین کے دعویٰ تحمل و انصاف اور قول و فعل کی متضاد کیفیات عجیب و غریب ہیں۔

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

حقیقت یہ ہے کہ گردشِ لیل و نہار کے درمیان، پیرِ فلک نے ایک ہی اسوۂ، ایک

ہی جلوہ، ایک ہی مقدس زندگی کی تابانی دیکھی اور وہ محمدؐ عربی کی حیاتِ طیبہ ہے۔ کس شان کا تحمل! کیسا اہم باشان درس! سبحان اللہ۔

بدوی نے ساقیٔ کوثرؐ کی چادر گھسیٹی اور گستاخی کی

زید بن سند نے وعدہ سے تین دن قبل ہی اپنے قرض کا شدت سے مطالبہ کیا۔ اس کی تندخوئی اور غلطیٔ گفتار پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے۔ لیکن رحمتِ عالمؐ نے کمال رحمت، شفقت اور حلم و تحمل سے کام لیتے ہوئے حضرت عمرؓ کو ان کی برہمی پر نصیحت فرمائی۔ اللہ اللہ! خلقِ کریمانہ کا کیسا عدیم النظیر نظارہ ہے۔ ساقیٔ کوثرؐ سخاوت فرما رہے ہیں۔ ایک بدوی آکر چادر گھسیٹتا ہے اور گستاخانہ انداز سے خیرات طلب کرتا ہے۔ لیکن اس گستاخی کے جواب میں خلقِ محمدی کے قربان جایئے کہ حبیبِ خدا نے اس گستاخ کے اونٹ مال سے لدوا دیئے۔

اللہ کے برگزیدہ رسولؐ نے اخلاقِ حسنہ اور محبتِ عامہ کے ساتھ آدابِ مجلس کی بھی ذیشان مثال قائم فرمائی ہے۔

حضورؐ کبھی مجلس میں پیر پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔

آپؐ مجلس میں کبھی پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ مصافحہ کے لیے پہلے آپؐ ہاتھ بڑھاتے تھے۔ آپؐ کبھی کسی کی بات قطع نہ فرماتے تھے اگر نفل نماز میں ہوتے اور کوئی آجاتا تو نماز کو مختصر فرما دیتے تھے۔

سادگی، محبت اور مساواتِ انسانی کی اعلیٰ مثال

رسولِ اکرمؐ نے سادگی و محبت اور مساواتِ انسانی کی اعلیٰ مثالیں قائم فرمائی ہیں۔ ایک دفعہ دربارِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور ہیبت سے لرز گیا۔ آپ نے اس کو تسلی دی اور فرمایا۔ "میں بادشاہ نہیں ہوں میں تو قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں

جو شوق کا گوشت کھایا کرتی تھی ۔" (مفہوم)

سرورِ دو جہاں کو سخت کلامی سے نفرت تھی۔ آپؐ نے ہمیشہ سخت کلامی سے اپنی امت کو منع فرمایا ہے۔ ارشادِ عالی ہے "لوگوں سے بات چیت احسن طریقہ سے کیا کرو۔" (مفہوم) یہودی اپنی مشہور عالم اسلام دشمنی کی وجہ سے "السلام علیکم" کہنے کی بجائے "السام علیکم" کہنے لگے تھے "السلام علیکم" کا مطلب یہ ہے "خدا تمہیں سلامت رکھے" اور "السام علیکم" کے معنی ہیں "تمہیں موت آئے"۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے یہودیوں سے یہی جملہ سنا تو فرمایا "خدا تمہیں ہلاک کر دے اور تمہیں کو موت آئے" لیکن سیدؐ ہر دو عالم نے حضرت عائشہؓ کی طرف متوجہ ہو کر ارشاد فرمایا "عائشہ! خدا سخت کلامی کو پسند نہیں فرماتا" (مفہوم) حضور فخرِ عالمؐ سادگی و اخلاص اور فروتنی و شیریں کلامی میں فقید المثال رہنما ہیں۔ روزمرہ زندگی کے ادنیٰ کام بھی سرکارِ دو جہاں بنفسِ نفیس انجام دیتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ جانوروں کے آگے چارہ ڈالتے تھے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے تھے۔ گھر میں جھاڑو دے لیتے تھے اور اپنے کپڑوں اور جوتے کی مرمت بھی فرما لیتے تھے۔ اپنے گھر کا ہی نہیں بلکہ دوسروں کے گھر کا بھی سودا آپؐ لا کر دیتے تھے۔ تعمیرِ مسجدِ نبوی اور جنگ خندق میں سلطانِ دو جہاںؐ نے تمام مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کیا ہے۔

فروتنی و سادگی کے علاوہ تمام مخلوق کی امداد، اعانت اور حاجت براری کی صفات حسنہ بھی "اخلاقِ حسنہ" کے لوازم تصور کئے جاتے ہیں۔ قرآنِ پاک میں حکم ہے "مومن محتاجوں کی حاجت پہلے رفع کرتے ہیں۔ گو خود فاقہ ہی کیوں نہ کرنا پڑے" رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مسلمانوں کو یہ عام حکم تھا "جو مسلمان قرض دار مر جائے، تو مجھے اطلاع دو۔

میں اس کے قرض ادا کروں گا اور جو وہ ترکہ چھوڑے تو وہ اس کے وارثوں کا حق ہے" مفہوم!

ایک مقام پر ارشاد ہوا "تمام انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں اور حضرت آدم مٹی سے بنے ہوئے تھے۔ قبیلے اور جرگے شناخت کے لیے بنائے گئے ہیں۔ یہ چیزیں بڑائی اور کمتری و کمتری کو ظاہر کرنے کے لیے نہیں ہیں۔ کسی کو کسی انسان پر کوئی فضیلت نہیں ہے۔ سب سے زیادہ قابلِ عزت وہ ہے جس کے اعمال سب سے اچھے ہیں"

دوسروں کے لیے وہی پسند کرو جو اپنے لیے پسند کرتے ہو

ایک اور جگہ سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا ہے "تم میں سے کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی بات پسند نہ کرے۔ جو وہ خود اپنے لیے پسند کرتا ہے"۔ (مفہوم) آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے "وہ مومن نہیں ہے جس کے شر سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو" (مفہوم)

حضورِ اکرمؐ انتہائی مہمان نواز تھے۔ آپ خود اپنے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غیر مسلم آیا اور آپ کا مہمان ہوا آپ نے بکری کے دودھ سے اس کی تواضع فرمائی۔ یہودی آمادۂ شرارت رہا۔ لیکن حضورؐ نے متواتر سات بکریوں کا دودھ دُوھ کرا سے پلایا۔ ایک مرتبہ ایک اور یہودی آپؐ کا مہمان ہوا۔ اس نے رات کو خوب کھانا کھایا اور پھر آخرِ شب میں مسجدِ مبارک میں غلاظت کی اور علی الصبح فرار ہو گیا لیکن جلدی میں اپنی تلوار بھول گیا۔ تلوار کی خاطر واپس آکر اس نے دیکھا کہ حضورؐ خود اپنے ہاتھوں سے غلاظت صاف فرما رہے ہیں۔ یہ مقامِ فکر ہے کہ معمارِ انسانیت نے خلقِ عالی کی کیسی بے مثال نظیر قائم فرمائی ہے۔

عہدِ قدیم میں غلاموں کا طبقہ سب سے زیادہ مظلوم و مقہور اور زیادہ ذلیل طبقہ تصور کیا جاتا تھا۔ افلاس و غلامی کے باعث یہ طبقہ مدارجِ انسانیت سے گرا دیا گیا تھا۔ لیکن سرورِ عالمؐ

نے اس مظلوم جماعت کے ساتھ بھی حسنِ خلق کا وہ سلوک کیا، جو تاریخ انسانیت کا نقش نمایاں ہے۔ حضرت بلالؓ غلام تھے لیکن وہ "مولا" کہلائے حضرت صہیبؓ کو امامت کا درجہ عطا کیا گیا۔ حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت اسامہؓ بن زید جو غلام تھے۔ امیر العساکر بنائے گئے اخلاقیات میں وعدہ اور ایفائے وعدہ کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ مولائے یثربؐ نے ارشاد فرمایا ہے "اقرار اور وعدہ کو بھی پورا کرو" (مفہوم)

ایفائے وعدہ کی خاطر رسول اکرمؐ نے دو روز انتظار فرمایا

یہ وصفِ عالی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی کو حاصل ہے کہ جو ارشاد فرمایا اس پر بنفسِ نفیس عمل بھی فرمایا۔ ابوطعامہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ سے بازار میں ملاقات ہوئی۔ ابوطعامہ نے عرض کیا کہ "حضورؐ سے کچھ مشورہ کرنا ہے۔ اگر حضورؐ یہیں قیام فرمائیں تو میں گھر ہو آؤں" آپؐ نے ان کی درخواست کو منظور فرمالیا اور وہیں انتظار فرمانے لگے۔ ابوطعامہ گھر جا کر بھول گئے اور دوسرے روز شام کے وقت یاد آیا تو افسوس ہوا اور کچھ دیر بعد وہ کسی کام سے بازار گئے تو اگلے دن شام کو بھی وہیں انتظار کرتے ہوئے پایا۔ انہیں دیکھ کر آپؐ نے صرف اس قدر ارشاد فرمایا "ابوطعامہ! تم نے مجھ کو بہت تکلیف پہنچائی" (مفہوم) اللہ اللہ کیا نرالی شان تھی خلقِ محمدؐ کی۔

امانت کی حفاظت اور امانت کی واپسی بھی اخلاق حسنہ کا رکن عظیم ہے۔ قرآنِ مجید میں حکم ربی ہے "امانتوں کو ان کے مالکوں کو پہنچا دو" حضور انورؐ اس حکم کی کامل تفسیر تھے۔

عرب کے مشہور سردار نضر بن الحارث نے دشمنانِ اسلام سے خطاب کرتے ہوئے سرورِ عالمؐ کے "امین" اور "صادق" ہونے کی تصدیق کی ہے۔ اپنی ایک تقریر میں اس نے کہا "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تم میں سے ایک جوان تھا۔ سب سے پسندیدہ انسان

تھا۔ ہر وعدہ میں سب سے سچا اور امانت میں سب سے بڑھ کر تھا۔ لیکن جب وہ بوڑھا ہو گیا اور تمہارے پاس کچھ پیغام لایا تو تم اس کو "ساحر" کہنے لگے۔ خدا کی قسم! وہ ساحر تو ہرگز نہیں ہے۔" کیسا بالشان جذبۂ امانت ہے۔ ہجرت کی رات میں کاشانۂ نبوی کو دشمنانِ محمد نے قتل کے ارادہ سے گھیر لیا تھا۔ لیکن خدا کے پیارے حبیب امانتوں کی واپسی کے لیے مضطرب تھے۔ آپ نے حضرتِ علیؓ کو اپنے گھر طلب فرما کر ہدایت فرمائی کہ "دوسرے دن امانتیں ان کے مالکوں کو واپس کرنے کے بعد تم ہجرت کرنا" (معنوم ا

جانی دشمن کے ساتھ محبت اور رحم کا سلوک

بھلائی کے بدلے میں بھلائی کی مثالیں تو بہت ملتی ہیں لیکن برائی اور دشمنی کرنے والوں کے ساتھ پیار و محبت کا عمل کرنے والی شخصیتیں تاریخ کے دامن میں دکھلائی نہیں دیتیں زندگی کے دشمن اور اقدامِ قتل کرنے والوں کے ساتھ شفقت و کرم گستری تو صرف رحمتہ للعالمین ہی کا حصہ ہے۔ بلاشک مہاتما گوتم اور حضرت مسیح کو تعلیماتِ عدم تشدد میں بلند مرتبہ حاصل ہے۔ لیکن صفحاتِ تاریخ اور ان کی مذہبی کتابیں ایسی ایک بھی مثال پیش نہیں کر سکتیں کہ خود ان بزرگوں نے عملی طور پر اپنے ایسے دشمنوں کے ساتھ رحمت و شفقت کا ایسا سلوک کیا ہو۔

اقدامِ قتل کرنے والوں پر رسول عربیؐ کی رحمت و عنایت

لیکن اس کے برعکس تاریخ میں کملی والے آقائے دو عالمؐ کی جان کے دشمن لوگوں پر شفقت و عنایت اور رحم و کرم کے متعدد واقعات تفصیل کے ساتھ ناظرین کے مطالعہ میں آتے ہیں۔ یہ اخلاق و کردار کی رفعت۔ ماٹ منزل ہے کہ بدلہ لینے اور سزا دینے کی پوری طاقت ہوتے ہوئے بھی بدترین دشمنوں پر عفو و کرم کیا جائے۔ پیشوایانِ عالم میں یہ

خصوصیت صرف تاجدار مدینہ ہی کو حاصل ہے۔

حضورؐ کی مثالی شانِ رحمت

ابوسفیان نے ایک شخص کو سرورِ کائنات ؐ کے قتل کے لیے مقرر کیا۔ قتل کے ارادے سے وہ خنجر چھپا کر مسجد میں داخل ہوا۔ لیکن پکڑ لیا گیا۔ صحابہ کرامؓ اس کو قتل کرنا چاہتے تھے لیکن حضورؐ نے اسے معاف فرما دیا۔

فتح خیبر کے بعد ایک یہودی عورت نے ہادیٔ اسلام ؐ کی دعوت کی اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ حضورؐ نے ایک لقمہ کھاتے ہی معلوم کر لیا اور لقمہ اُگل دیا۔ عورت نے اقبالِ جرم کر لیا اور رحمتِ عالم نے اسے معاف فرما دیا۔

ایک جنگ کے موقعہ پر اختتامِ جنگ کے بعد بھی آپؐ نے ایک اقدامِ قتل کرنے والے کو معاف فرما دیا تھا۔ نبی آخرالزماںؐ اور ساری دنیا سے عزت وعظمت اور جملہ اخلاق و اوصاف میں برتر ہونے کے باوجود آپؐ نے اپنی ذاتِ گرامی کو اپنے ساتھیوں اور عام انسانوں سے ممتاز نہیں فرمایا ایک دفعہ جنگل میں کھانا پکانے کی ضرورت پیش آئی۔ صحابہ کرامؓ نے اصرار کر کے اپنے لیے ایک کام لے لیا اور جنگل سے لکڑیاں لانے کا کام آپؐ نے اس موقع پر انجام دیا۔ آپؐ نے ہمیشہ خلق ومحبت اور پیار ونرمی کی تعلیم دی ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم فرماتے تھے "جس کسی کے دل میں رائی کے برابر بھی سختی موجود ہوگی وہ جنت میں نہیں جائے گا" (مفہوم)

سرکارِ دوجہاں نے منافق کے کفن کے لیے اپنی مبارک قمیض عطا فرمائی

رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ساری عمر آپؐ کے ساتھ دشمنی کی۔ لیکن جب وہ مرا تو آپؐ نے اس کے کفن کے لیے اپنی قمیض عطا فرمائی اور اسی کا اُسے کفن دیا گیا۔

مکی زندگی کے تمام واقعات شاہد ہیں کہ سرورِ عالمؐ پر کفارِ قریش نے انتہائی مظالم کیئے۔ لیکن آقائے دوجہاں نے ہمیشہ صبر و تحمل ہی فرمایا۔

بدظنی و بدگمانی سے احتراز کرو

سرورِ کائنات نے ملتِ اسلامیہ کو اخلاق و کردار سنوارنے کے لیے بہترین بصیرت افروز نصیحتیں فرمائی ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے "کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی نہ تو تذلیل کرے اور نہ تحقیر" (مفہوم) ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا "جس کے دل میں ذرہ بھر بھی تکبر ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا" (مفہوم) آپؐ نے اُمت کو ہدایت فرمائی "بدگمانی سے احتراز کرو" (مفہوم) اللہ اللہ! تطہیرِ قلوب کے لیے یہ کیسی عظیم الشان نصیحتیں ہیں۔ ایک اور مقام پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں "تین آدمی ہوں تو ان میں سے دو آدمی آپس میں سرگوشیاں نہ کیا کریں" (مفہوم) سرورِ عالمؐ نے ارشاد فرمایا ہے "جس نے کسی مسلمان کو ایذا دی۔ اُس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی" (مفہوم) انسان کی سماجی زندگی کے اجتماعی کردار کو متعین فرماتے ہوئے غمگساری و ہمدردی اور مخلوق الٰہی کی اعانت و حاجت براری کی بھی آپؐ نے عدیم النظیر تعلیم دی ہے۔ ارشاد فرمایا ہے "جو میری امت میں کسی کی حاجت پوری کرے گا اور اس کا مقصد یہ ہو کہ اسے اللہ تعالیٰ خوش کر دے تو اس نے مجھے خوش کیا۔ اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا (مفہوم) ایک مرتبہ آپؐ نے ارشاد فرمایا "کسی مسلمان کو مذاق میں بھی پریشان کرنا جائز نہیں ہے" (مفہوم) حسد کی خرابیوں کو اجاگر کرتے ہوئے حضورؐ نے ارشاد فرمایا ہے "تم لوگ حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے۔ جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے" (مفہوم) رسول اللہؐ نے خلق و محبت کی حدود کو بین الاقوامی طور

پر وسیع فرما دیا ہے۔ انسان، انسان کا بھائی ہے (مفہوم)
سب لوگوں کے لیے وہی چاہو جو اپنے لیے چاہتے ہو
حضرت ابوہریرہؓ سے حضور اکرمؐ نے ارشاد فرمایا ہے "تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ عام لوگوں کے لیے وہی نہ پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ وہ انسان سے صرف خدا کے لیے محبت نہیں کرتا" (مفہوم) رحمتِ عالم نے اپنی تمام زندگی میں بے مثال حلم، عدیم المثال خلق و عنایت اور بے نظیر محبت کے اعلیٰ معیار کو قائم فرما دیا ہے اور اس طرح محمد رسول اللہؐ نے نوعِ انسان کو مثالی، اخلاقی اور بے مثل کردار کا عملی درس دیا ہے۔ یہ اعلیٰ تعلیمات اور ان کی روشن مثالیں آج بھی ہمارے سامنے ہیں اور ان پر عمل کر کے ساری دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے۔

پیغمبرِ اسلام کی شادیاں

جنابِ پنڈت سندر لال صاحب

محمدؐ صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پہلی شادی ۲۵ سال کی عمر میں ہوئی۔
۲۵ سال تک عرب اور خاص کر مکّہ کی بگڑی ہوئی ہوا میں بھی محمدؐ صاحب کا جیون بے
رہا۔ جب کہ ان کی عمر کے لڑکے عیش اور آوارگی میں اپنا وقت کھوتے تھے محمدؐ صاحب
پہاڑیوں پر اکیلے بکریاں چرایا کرتے یا ایکانت میں بیٹھے سوچا کرتے تھے محمدؐ صاحب
ں زمانہ کی نیک چلنی پر آج تک کوئی انگلی نہیں اٹھا سکا۔
پچیس سال سے پچاس سال کی عمر تک انہوں نے اپنی پہلی بیوی خدیجہ رضؓ سے جو ان
پندرہ سال بڑی تھیں، اپنا دھرم سچائی سے نبھایا۔ ایک آدمی کی بہت سی بیبیوں کا
داج سارے یورپ عرب اور اس زمانے کے قریب قریب سب دیشوں میں اتنا
ام تھا کہ محمدؐ صاحب کے علاوہ ان دنوں مکّہ کے بڑے لوگوں میں شاید کم ہی ایسے رہے
ہوں گے جن کی ایک بی بی ہو۔
ان دوسرے پچیس سال کے بارے میں ایک مورّخ (اتہاس کار) لکھتا ہے۔

"پچیس سال تک محمدؐ صاحب اپنی بڑی عمر کی بی بی کے ساتھ وفاداری سے رہے۔ جب وہ ۶۵ سال کی تھیں تب بھی وہ ان سے ویسا ہی پریم کرتے تھے، جیسا اس وقت، جب ان کی شادی ہوئی تھی۔ ان تمام پچیس برس کے اندر محمدؐ صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی نیک چلنی کے خلاف کہیں کسی طرح کا سانس تک سنائی نہیں دیا۔ اس وقت تک کی ان کی زندگی کو خوب غور کے ساتھ شیشے (خوردبین) سے دیکھنے پر بھی کوئی دھبہ دکھائی نہیں دیتا۔"

خدیجہؓ کے مرنے کے بعد زندگی کے آخری ۱۳ سال میں ان کی نو اور شادیاں

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے انتقال کے بعد نو شادیوں کی بجائے دس شادیاں کیں۔ (۱) حضرت سودہؓ (۲) حضرت عائشہؓ (۳) حضرت حفصہؓ (۴) حضرت زینبؓ ام المساکین (۵) حضرت ام سلمہؓ (۶) حضرت زینبؓ بنت جحش (۷) حضرت جویریہؓ (۸) حضرت ام حبیبہؓ (۹) حضرت میمونہؓ اور حضرت صفیہؓ ۔۔۔ پنڈت جی کو حضرت زینبؓ ام المساکین اور حضرت زینبؓ بنت جحش میں شاید نام کی وحدت سے سہو ہو گیا ہے اور انہوں نے ان دونوں خواتین کو ایک ہی شخصیت سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے اس مضمون میں حضرت زینبؓ بنت جحش کا تفصیلی تذکرہ تو ملتا ہے، لیکن حضرت زینبؓ ام المساکین کا تذکرہ اس فاضلانہ مقالہ میں نہیں کیا گیا۔ حضرت زینبؓ ام المساکین کی حضرت عبداللہ بن جحش سے شادی ہوئی تھی۔ شوہر کی شہادت جنگِ احد میں ہوئی تو اس سال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے شادی کی۔ نکاح کے بعد صرف دو تین ماہ زندہ رہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ فقرا اور مساکین کو کھانا کھلاتی تھیں، خیرات دیتی تھیں۔ اس لیے ام المساکین کے لقب سے مشہور ہوئیں۔

رہیں۔ ان نو شادیوں کے بارے میں وہی اتہاس کار لکھتا ہے۔

" ان میں سے کچھ شادیاں تو اس خیال سے کی گئی تھیں کہ کچھ عورتوں کے خاوند اسلام کی لڑائیوں میں مارے گئے تھے۔ ان کا کوئی سہارا باقی نہ رہ گیا تھا۔ محمدؐ صاحب نے ان کے خاوندوں کو جوش دلا کر لڑائی میں بھیجا تھا۔ ان بیواؤں کو حق تھا کہ محمدؐ صاحب کا آسرا چاہیں اور محمدؐ صاحب کافی دیاوان تھے۔ باقی شادیوں کا مطلب صرف راج کاجی تھا۔ یعنی ایک دوسرے کے خلاف دلوں کے سرداروں کو پریم ڈور میں باندھنا"

یہ بات بھی دھیان میں رکھنی چاہیے کہ ان دنوں عرب میں کوئی بھی عزت والی عورت بنا شادی کیے کسی بھی دوسری صورت میں کسی کے گھر میں رہنا پسند نہیں کر سکتی تھی۔

ایک دوسرا اتہاس کار لکھتا ہے۔

" چال چلن کے خیال سے محمدؐ صاحب بڑے اونچے درجہ کے آدمی تھے۔ جیون کی گہرائی میں وہ اتنے گہرے گئے ہوئے تھے کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ اپنی طاقت کو بھوگ بلاس میں کھو ڈالتے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اپنے اثر اور طاقت کو پکا کرنے کے لیے شادی ایک بڑا زبردست ذریعہ ہے۔ (ہزار پا) کن کھجورے کی سینکڑوں ٹانگوں کی طرح شادی جگہ جگہ اپنی باہیں پھیلا دیتی ہے اور ایسے ناتے اور رشتے جوڑ لیتی ہے۔ جنہیں وہ ایسے چپٹ جاتی ہے۔ جیسے گھونگا چٹان کو چمٹتا ہے یا بیتال مچھلی اپنے شکار کو۔ قریب قریب ہمارے زمانے تک یہی اصول یورپ کے راج

کاج کا ایک بڑا حصہ رہا ہے۔ یہی غرض تھی۔ جس نے محمدؐ صاحب کو کئی
شادیوں کے لیے تیار کیا۔ محمدؐ صاحب کے بڑے مشن کا یہ ایک ضروری
حصہ تھا۔ محمدؐ صاحب کی نو شادیوں کا مختصر حال یہ ہے:۔

خدیجہؓ کے بعد محمدؐ صاحب کی دوسری شادی ان کے جیون بھر کے ساتھی
ابوبکرؓ کی لڑکی عائشہؓ کے ساتھ ہوئی۔ عائشہؓ کنواری تھی۔ اس کی عمر ۱۸ سال کی تھ
حضرت ابوبکرؓ نے اپنے تن من دھن سے مصیبت کے وقت اسلام کی بڑی
کی تھی۔ خدیجہؓ کے مرنے کے بعد حضرت ابوبکرؓ کے جی میں بات جم گئی کہ میری بیٹی
کو بیاہی جائے۔ انہوں نے بڑی ضد کے ساتھ پیغمبر سے پرارتھنا کی۔ عرب میں کسی
اس طرح کی پرارتھنا کو ٹھکرا دینا اس کی بڑی ہیٹی سمجھی جاتی تھی۔ محمدؐ صاحب نے اس پر
کو مان کر حضرت ابوبکرؓ کو ہمیشہ کے لیے اپنا احسان مند بنا لیا اور ساتھ ہی دونوں خا
کو بھی ہمیشہ کے لیے ایک کر دیا۔ اس کے بعد زندگی بھر انہوں نے اور کسی بھی کن
کے ساتھ شادی نہیں کی۔

تیسری شادی ایک غریب بڑھیا سودہؓ کے ساتھ ہوئی۔ سودہؓ محمدؐ صاحب
کے ایک شروع کے ساتھی سکران کی بیوی تھی۔ قریش کے ظلموں سے بچنے کے لیے
اپنے پتی کے ساتھ ایتھوپیا چلی گئی۔ وہاں سکران مر گیا۔ سودہؓ مکہ واپس آئی۔ مکہ میں
نہ کوئی اس کی مدد کرنے والا تھا اور نہ کوئی پوچھنے والا۔ رشتہ داروں تک نے اسے پال
سے انکار کر دیا۔ بوڑھی اور لاچار سودہؓ کی پرارتھنا پر محمدؐ صاحب نے اس کے ساتھ
نکاح پڑھا اور اس طرح اس کو اپنے گھر میں رہنے کی راہ نکال دی۔

چوتھی شادی حضرت عمرؓ کی بیوہ لڑکی حفصہؓ کے ساتھ ہوئی۔ حفصہؓ کا خاوند بدر

ائی میں مارا گیا۔ (جنگ بدر میں حضرت حفصہؓ کے خاوند خنیس زخمی ہو گئے تھے۔
ر نہیں ہوئے تھے۔ بعد میں انہوں نے زخموں کی وجہ سے وفات پائی) حضرت عمرؓ
ی بیوہ لڑکی کی شادی پھر سے کسی اچھے مسلمان سے کرنا چاہی۔ انہوں نے حضرت
ن سے کہا۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا ذکر
تو انہوں نے خاموشی اختیار کی جس سے حضرت عمرؓ کو بے حد رنج ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ
ت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ کا رتبہ مسلمانوں میں بہت اونچا تھا۔ حضرت عمرؓ تیز مزاج
۔ انہوں نے ان انکاروں کو اپنی بے عزتی سمجھا۔ کہتے ہیں کہ سارے مسلمانوں میں
ا پھیلنے کا ڈر تھا۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پتہ چلا حضرت عمرؓ کو ٹھنڈا
نے اور جھگڑے کو ختم کرنے کے لیے انہوں نے حضرت حفصہؓ سے خود نکاح کر لیا۔

پانچویں[1] شادی اُحد کی لڑائی کے ایک سال بعد اُمیہؓ کی لڑکی ہند سے ہوئی۔
ے بڑے اثر والا آدمی تھا۔ اُحد کی لڑائی میں ہند کا خاوند گھائل ہو گیا اور آٹھ مہینے بعد
گیا۔ بیوہ ہند کے کئی بچے تھے۔ بچوں کے پالنے کے لیے وہ تیز مزاج اور لڑاکا مشہور
ی۔ اس کے سب سے بڑے بیٹے کا نام سلمیٰ تھا جس سے وہ اُم سلمہ یعنی سلمہ کی ماں
ہلاتی تھی۔ دکھی ہو کر اس نے خود حضرت محمدؐ صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے
اح کی پرارتھنا کی۔ انہوں نے مان لیا اور اس کے اور اس کے بچوں کے پالنے کا
ر لیا۔

چھٹی شادی (یہ دراصل ساتویں شادی ہے) اس طرح ہوئی۔ زینبؓ ان کی

---

[1] پانچویں شادی حضرت زینبؓ اُم المساکین کے ساتھ ہوئی تھی۔ چھٹی شادی حضرت ہند کے ساتھ ہوئی۔ جن کے والد کا نام اُمیہ نہیں سہیل ہے اور ابو اُمیہ کنیت ہے۔

پھوپھی کی لڑکی تھی۔ زینبؓ کا باپ جحش قریش کی وودان شاخ سے تھا۔ بنی وود
اسلام کے مشہور دشمن ابوسفیان کے نزدیکی رشتہ دار تھے، لیکن محمد صاحب (صلی
تعالیٰ علیہ وسلمّ) اور اسلام سے اتنا زیادہ پریم رکھتے تھے کہ مکّہ سے ہجرت کے وقت
یہ سب کے سب مرد عورت اور بچے مکّہ میں اپنے اپنے گھروں کو تالا لگا کر محمدؐ صا
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمّ) کے ساتھ مدینہ چلے آئے تھے۔ ابوسفیان کو رد کرنے کے
اس خاندان کی مدد محمدؐ صاحب کے لیے بڑی قیمتی تھی۔ مدینہ پہنچنے کے بعد زینبؓ
ماں باپ نے اس کی شادی محمدؐ صاحب سے کر دینا چاہی، لیکن محمدؐ صاحب نے
انکار کر دیا۔ قریش میں خاندان کا بے حد گھمنڈ تھا۔ محمدؐ صاحب اس گھمنڈ کو توڑنا چا
تھے اور آدمی آدمی میں برابری قائم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے بنی وودان کو صلا
دی کہ زینبؓ کی شادی زیدؓ سے کر دی جائے۔ زیدؓ وہ غلام تھا جسے محمدؐ صاحب
ہی آزاد کیا تھا۔ گھمنڈی بنی وودان کو یہ بات پسند نہ آئی۔ پھر بھی محمدؐ صاحب کے
سننے پر انہیں زینبؓ کی شادی زیدؓ کے ساتھ کر دینا پڑی۔

زینبؓ کے دل سے اپنی نسل کا گھمنڈ نہ مٹ سکا۔ ایک گورے عرب سردار
لڑکی اور ایک غلام سے بیاہی جائے۔ یہ اس سے سہا نہ جاتا تھا۔ دونوں کا جیون
نہ تھا۔ تھک کر زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق دینا چاہا۔ اس نے محمدؐ صاحب سے اجاز
مانگی۔ محمدؐ صاحب نے اس سے پوچھا "کیوں؟ کیا تم نے زینبؓ میں کوئی برائی دیکھی
زیدؓ نے جواب دیا "نہیں، لیکن اب میں اس کے ساتھ رہ نہیں سکتا۔"

محمدؐ صاحب نے غصّے سے کہا "جا اپنی بی بی کو اپنے ساتھ رکھ اور اللہ سے
لیکن اس ڈانٹ سے بہت دنوں کام نہ چل سکا۔ آخر زیدؓ نے زینبؓ کو طلاق

ے دی۔ زینبؓ اپنے باپ کے گھر واپس آگئی۔ باپ نے ایک دوسرے کے بعد کئی
زادوں سے زینبؓ کی دوسری شادی کرنا چاہی، لیکن کسی نے بھی ایک ایسی عورت
ے شادی کرنا نہ چاہا۔ جو ایک غلام کی بیوی رہ چکی ہے۔

بنی دودان کو اس میں بڑی ہتک دکھائی دی۔ انہیں بڑا دکھ ہوا۔ ان کی اس
ساری بے عزتی کی ذمہ داری محمدؐ صاحب پر تھی۔ انہوں نے پھر محمدؐ صاحب سے زینبؓ
کو اپنے نکاح میں لینے کی پرارتھنا کی۔ محمدؐ صاحب نے زیدؓ اور زینبؓ کو بلا کر پھر سے
ان میں صلح کرا دینے کی کوشش کی، لیکن کوئی پھل نہ ہوا۔ محمدؐ صاحب کے لیے کوئی
چارہ نہ تھا۔ انہوں نے زینبؓ کے ساتھ نکاح کر لیا۔ زینبؓ کی عمر اس نکاح کے
وقت پینتیس سال سے اوپر تھی۔

ساتویں[1] شادی ایک بیوہ جویریہ سے ہوئی۔ جویریہؓ کا باپ حارث ابنی مصطلق
قبیلہ کا سردار تھا۔ مدینہ سے دو سو میل دور سمندر کے کنارے حارث مارا گیا اور اس
قبیلہ کے کوئی دو سو آدمی مسلمانوں نے پکڑ لیے۔ بنی مصطلق نے صلح چاہی۔ دو قبیلوں
یا ذاتوں میں صلح کی ایک ضروری شرط ان دنوں ہارے ہوئے قبیلہ کی طرف سے یہ

---

[1] ابن اسحٰق نے اس آٹھویں نکاح کا جو واقعہ بیان کیا ہے، وہ اپنی جزئیات میں فاضل مقالہ نگار
کی تفصیلات سے کچھ مختلف ہے۔ حضرت جویریہؓ کے باپ حارث نے مدینہ پر فوج کشی کا ارادہ کیا جو بنو
المصطلق کا سردار تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ نے تحقیق حال کے لیے حضرت
بریدہ بن حصیب سلمیؓ کو وہاں بھیجا۔ انہوں نے اس خبر کی تصدیق کی اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے دفاعی جنگ کے لیے اعلان کر دیا۔ بالآخر دوسری شعبان کو مسلمان فوجیں مدینہ منورہ سے روانہ
ہوگئیں اور نویں منزل پر پہنچ کر مریسیع میں قیام کیا۔ حارث مقابلہ میں فرار ہوگیا، لیکن مریسیع کے لوگوں

ہوتی تھی کہ جیتنے ہوئے قبیلہ کا کوئی خاص آدمی ہارے ہوئے قبیلہ کی کسی عورت سے شادی کر لے۔ اسی رواج پر زور دے کر ہارے ہوئے یونانی سردار سلیوکس نے جیتنے ہوئے موریہ سمراٹ چندر گپت سے صلح کے وقت اس بات کی ضد کی تھی کہ چندر گپت سلیوکس کی ایک لڑکی سے شادی کر لے اور چندر گپت کو ماننا پڑا تھا۔ محمدؐ صاحب نے بنی مصطلق کی پر ارتھنا پر ان کے سردار حارث کی بیوہ لڑکی جویریہؓ کے ساتھ جو لڑائی میں مر چکا تھا۔ شادی کر کے اس سارے قبیلہ کو مسلمانوں کے ساتھ پریم ڈوری میں باندھ لیا اس شادی سے دو سو مصطلق قیدی بغیر کسی شرط کے ایک دم چھوڑ دیئے گئے برسوں بعد جویریہؓ کی اس شادی کی بات کرتے ہوئے محمدؐ صاحب کی دوسری بی بی (حضرت) عائشہؓ نے کہا تھا۔

"کوئی عورت کبھی اپنے قبیلہ والوں کے لیے اس سے بڑی برکت والی ثابت نہیں ہوئی جتنی جویریہؓ اپنے لوگوں کے لیے۔"

نے جنگ شروع کر دی۔ مسلمانوں نے اتنا شدید حملہ کیا کہ دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ۶۰۰ آدمی گرفتار ہو گئے ۲۰۰۰ اونٹ اور ۵۰۰۰ بکریاں مال غنیمت میں آئیں۔ گرفتار ہونے والوں میں حارث کی بیٹی جویریہؓ بھی تھیں۔ اسیران جنگ اور مال غنیمت فوجیوں میں تقسیم ہوا۔ تو حضرت جویریہؓ حضرت ثابت بن قیس کے حصہ میں آئیں۔ انہوں نے حضرت ثابتؓ سے کہا کہ مجھے تو اوقیہ سونا لے کر آزاد کر دو۔ ابن سعد نے طبقات میں یہ روایت بیان کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کا فدیہ حارث نے ادا کیا اور وہ آزاد ہو گئیں، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔ فوراً ہی تمام صحابہؓ کرام نے فیصلہ کیا کہ جس خاندان میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شادی کر لی وہ غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ چنانچہ ۶۰۰ کے ۶۰۰ قیدی فوراً ہی صحابہؓ کرام نے آزاد کر دیئے۔

ٹھیک اسی طرح خیبر کی لڑائی کے بعد محمدؐ صاحب نے آٹھویں شادی کی (در اصل نویں شادی تھی) یہودی قبیلہ بنو قریظہ[1] کی سردار اخطیب کی بیوہ لڑکی صفیہ کے ساتھ کی۔ صفیہؓ کی دو بار پہلے شادی ہو چکی تھی۔ اس کا دوسرا خاوند خیبر کی لڑائی میں مارا گیا تھا۔

نویں شادی (یہ دسویں شادی تھی) مکہ کے پرانے حاکم اور اسلام کے دشمن قریش کے سردار ابوسفیان کی لڑکی ام حبیبہ کے ساتھ ہوئی۔ ام حبیبہ کا پہلا مرد اتھوپیا میں اپنے دیس سے دور مرا تھا۔ حضرت محمدؐ صاحب سے شادی ہونے سے پہلے ام حبیبہؓ کے کئی بچے تھے۔ جن میں سے ایک لڑکی کا نام حبیبہؓ تھا یا ہ کی غرض بالکل صاف تھی۔

دسویں[2] اور آخری شادی ان دنوں مکہ میں ہوئی۔ جب حدیبیہ کی صلح کے بعد محمدؐ صاحب تین دن کی جاترا کے لیے مکہ گئے ہوئے تھے۔ یہ شادی ایک قریشی سردار حارث کی بیوہ لڑکی میمونہؓ کے ساتھ ہوئی تھی۔ محمدؐ صاحب نے اپنے ایک چچا کے زور دینے پر یہ شادی کی تھی اور چچا کی غرض پوری ہوئی۔ یعنی اس شادی سے ولید کے بیٹے خالدؓ اور عاص کے بیٹے عمرؓ جیسے دو زبردست دشمن محمدؐ صاحب کی طرف ہو گئے۔

---

[1] ام المومنین حضرت صفیہؓ کے والد کا نام حیی بن اخطب ہے جو قبیلہ بنو نضیر کا سردار تھا۔ والدہ کا نام خسرہ تھا جو سموال سردار بنو قریظہ کی بیٹی تھی۔ شمالی عرب کے یہودی قبائل میں یہ دونوں قبیلے بے حد اہم اور ممتاز تھے۔

[2] یہ گیارھویں شادی تھی۔

اپنی ان سب بیویوں کے ساتھ محمدؐ صاحب کا برتاؤ ہمیشہ ایک سا رہا۔ ہم کہہ چکے ہیں کہ اس وقت تک شاید دنیا کے کسی دیش میں بھی ایک آدمی کی ایک سے زیادہ بیبیاں ہونا کسی طرح برا نہ سمجھا جاتا تھا اور محمدؐ صاحب کی ان شادیوں کی غرض واضح اور صاف تھی۔

محمدؐ صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے دو لڑکے اور چار لڑکیاں ہوئیں دونوں لڑکے بچپن ہی میں مر گئے تھے۔ تین لڑکیوں کی شادیاں انہوں نے عرب کے پرانے دھرمؔ کے لوگوں میں کیں اور ایک لڑکی فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ کے ساتھ ہوئی۔

ؔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بڑی صاحبزادی زینبؓ کی شادی حضرت ابو العاص سے ہوئی تھی جو بعد میں مسلمان ہو گئے تھے۔ دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ کی شادی ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوئی تھی اور تیسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کی شادی بھی ابولہب کے دوسرے بیٹے عتیبہ سے کی گئی تھی، لیکن جب آپؐ نے اعلانِ نبوّت فرمایا تو ابولہب نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی دشمنی میں بیٹوں کو مجبور کیا کہ وہ صاحبزادیوں کو طلاق دے دیں۔ بیٹوں نے تعمیلِ حکم کی۔ پھر حضرت رقیہؓ کی شادی حضرت عثمانؓ غنی سے ہوئی۔ لیکن ۲ھ میں حضرت رقیہؓ کا انتقال ہو گیا۔ تو ۳ھ میں حضرت ام کلثومؓ کی شادی بھی حضرت عثمانؓ غنی سے کر دی گئی۔ اس لیے حضرت عثمان غنیؓ کو ذوالنّورین کہا جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی گیارہ شادیاں ہوئیں۔ جن میں سے پہلی بیوی امّ المومنین خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت زینبؓ ام المساکینؓ کا انتقال آپ کے سامنے ہوا۔ باقی نو بیویاں آپ کی وفات تک زندہ تھیں۔ نو بیویوں کی موجودگی سے دشمنانِ اسلام بالخصوص متعصب عیسائیوں نے ایک موضوع بنایا اور اس آڑ میں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلمؐ پر تعصب و عناد اور بغض کینہ کے ساتھ نکتہ چینی کی۔ جس کے جوابات حقائق کی روشنی میں دیے گئے۔ یہ جوابات اتنے مطمئن کن تھے کہ ان سے ہر سنجیدہ آدمی کا متفق ہونا ضروری ہے۔ ایمان و انصاف اور دیانت داری کے جذبہ کے تحت غیر مسلم محقّقین و مؤرخین نے بھی اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔ پنڈت سندر لال کا زیرِ نظر مضمون اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ پنڈت جی نے جنسیاتی، سماجی اور سیاسی تینوں حیثیتوں سے اس عنوان پر لکھا ہے۔ جنسیاتی نقطۂ نظر سے اس اعتراض کا جواب دینا عام بات ہے کچھ لوگوں نے سیاسی حیثیت سے بھی اس پر غور کیا ہے، لیکن تفصیل کے ساتھ سیاسی

حیثیت سے تو اس عنوان پر بہت کم لوگوں نے لکھا ہے۔ یوں بھی نبیؐ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ۲۳ سالہ نبوت کی زندگی پر بہت کم سیاسی اعتبار سے لکھا گیا ہے۔ متقدّمین میں شمس الائمہ سرخیؒ نے اس موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اس دور میں ڈاکٹر حمید اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی زندگی پر سیاسی اعتبار سے جن عنوانات پر لکھا ہے۔ ان میں یہ عنوان بھی شامل ہے ——— تعدّد ازدواج کی ان چند در چند حیثیتوں کے ساتھ ہی اس کی ایک تبلیغی حیثیت بھی ہے اور ضرورت ہے کہ اہلِ قلم حضرات جنہیں اللہ تعالیٰ نے سیرت پاک کے مقدس موضوع سے دلچسپی کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ وہ اس پہلو پر بھی تفصیل کے ساتھ غور کریں۔ بہر نوع پنڈت سندر لال کا یہ مضمون بے حد قابل قدر ہے اور ایک اہم عنوان پر سب سے اچھے پہلو سے موصوف نے تبصرہ کیا ہے۔ وہ لائق صد مبارک باد ہے۔

"رضوی"

حضرت محمدؐ صاحب کی زندگی سے سبق سیکھیے

شری لالہ دیش بندھو جی ڈائرکٹر اخبار "تیج" دہلی

جس قدر بڑے لوگ دنیا میں گزرے ہیں۔ اگر ہم ان کی لائف کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوارنے اور انسانوں کی اصلاح میں ان بزرگوں کو جس قدر کامیابی ہوئی اس کا صرف ایک ہی سبب تھا۔ وہ یہ کہ اپنے مشن کی صداقت پر انہیں پورا وشواش تھا۔ پہاڑ کی طرح عزم و ارادہ کے مالک تھے اور دنیا کی کوئی طاقت ان کو اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکتی تھی۔

حضرت محمد صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی زندگی میں شروع سے آخر تک یہ صفت نہایت نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس قدر جلد انہوں نے اپنے مشن میں کامیابی حاصل کی۔ دنیا کے مذاہب کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اگرچہ میں نے بہت زیادہ کتب کا مطالعہ نہیں کیا۔ مگر محمدؐ صاحب کی لائف جو دو ایک میری نگاہ سے گزری ہیں۔ ان کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں

اور میرا خیال ہے کہ صحیح نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اپنے مشن کی سچائی پر اعتقاد اور ارادے کی مضبوطی و پختگی میں ان کا کوئی دوسرا مثل نہیں گزرا۔

ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک موقعہ پر آنحضرت کہیں جنگل میں بالکل تن تنہا درخت کے نیچے سو رہے تھے۔ اتفاق سے آپ کا ایک جانی دشمن بھی ادھر آنکلا۔ جو عرصہ سے آپ کے قتل کی فکر میں تھا۔ تلوار اس کے ہاتھ میں تھی اس نے آپ کو جگایا اور نہایت گھمنڈ سے کہا "اے محمدؐ! اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے" یہ نہایت نازک موقعہ تھا اور قدرتی تشویش کا پیدا ہونا یقینی بات تھی۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب نے نہایت اطمینان کے ساتھ بغیر کسی تشویش اور پریشانی کے جواب دیا کہ "خدا" یہ خدا ہی تھا جس نے اس کو محمدؐ صاحب کا جانی دشمن بنا دیا تھا کوئی پرخاش نہ تھی اور نہ کوئی ذاتی جھگڑا تھا۔ جھگڑا ہی صرف اس قدر تھا کہ محمدؐ صاحب ایک پرماتما کی پوجا کا پرچار کرتے تھے اور وہ بہت سے خداؤں کی پوجا کرتا تھا اس لیے جونہی محمدؐ صاحب کے منہ سے خدا کا نام نکلا تھا۔ اس کے غصہ و انتقام کی آگ بھڑک اٹھنی چاہیئے تھی اور بے آپے ہو کر جس ارادہ سے وہ آیا تھا اور زیادہ اس میں مضبوطی پیدا ہو جانی چاہیے تھی اور خدا کا نام سنتے ہی محمدؐ صاحب کو قتل کر دینا چاہیے تھا۔

مگر یہ اٹل وشواش کی آواز تھی۔ جس کی گونج اس کے کانوں کے راستے اس کے ہردے (قلب) کے پردوں سے ٹکرائی اور اس پر اس قدر خوف چھا گیا کہ تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی۔ جسے حضرت محمدؐ صاحب نے اٹھا لیا اور جو سوال اس نے محمدؐ صاحب سے کیا تھا۔ وہی آپؐ نے اس سے کیا کہ "اب بتلاؤ؟ کہ میرے سے تم کو کون بچا سکتا ہے"

چونکہ اس کا دل اپنے مقصد کی صداقت سے خالی تھا اور کوئی ایسی سچائی اس کے دل میں نہ تھی جو دل کو لازوال قوت اور طاقت بخشتی ہے۔ اس لیے وہ محمدؐ صاحب کے ہاتھ میں تلوار دیکھ کر خوف زدہ ہوگیا اور نہایت عاجزانہ لہجہ میں کہنے لگا کہ آپ ہی بچا سکتے ہیں۔" یہ سن کر محمدؐ صاحب نے اس کی حالت پر افسوس کیا اور کہا کہ کاش اب بھی کہہ دیتا کہ جس نے تم کو میرے ہاتھ سے بچایا۔ وہی خدا مجھ کو بھی تمہارے ہاتھ سے بچا سکتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے اس کی تلوار واپس کر دی۔

حضرت محمدؐ صاحب کے اپنے پرماتما پر اس اعتماد و اعتقاد اور آپ کے اطمینان کو دیکھ کر وہ اس قدر متاثر ہوا کہ اسی وقت مسلمان ہوگیا۔

اس ایک واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ محمدؐ صاحب کو اپنے مشن کی صداقت پر کس قدر گہرا اور مضبوط اعتقاد تھا۔ وہ ایسے نازک اور خطرناک ٹائم پر بھی ذرا برابر ہراساں اور خوف زدہ نہیں ہوئے۔ یہی بنیادی اعتقاد تھا جس نے محمدؐ صاحب کے دل کو لازوال طاقت عطا کی تھی کہ وہ کبھی برداشتہ خاطر نہ ہوئے۔ مشکلات کے پہاڑ ان کے سامنے آئے اور مصائب و آلام کے طوفان نے آپؐ کو گھیر لیا۔ مگر آپؐ کے عزم و ارادہ میں کوئی تزلزل واقع نہیں ہوا اور پہاڑ کی طرح اپنی جگہ سے ٹس سے مس نہ ہوئے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مصائب و مشکلات کے تمام کالے بادل چھٹ گئے اور بہت تھوڑے عرصہ میں اپنے مشن میں وہ کامیابی حاصل ہوئی کہ شاید کسی کو اتنے کم عرصہ میں حاصل ہوئی ہو۔

اس کے بعد دوسری چیز آپؐ کا عزم بالجزم اور ارادے کی مضبوطی تھی۔ واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ اپنے مشن کو کامیاب بنانے کے لیے آپؐ نے کس قدر

مضبوط ارادہ سے کام کیا اور کس قدر خندہ پیشانی سے ہر قسم کے مصائب و مشکلات کا آپؐ نے مقابلہ کیا۔

جس دن سے آپؐ نے اپنے مشن کا اعلان کیا اور لوگوں کو اس طرف بلانا شروع کیا۔ اسی دن سے مکّہ واسی (اہلِ مکّہ) جو پہلے آپؐ کی بے حد عزّت کرتے تھے۔ دشمن ہو گئے اور سینکڑوں طریقوں سے آپؐ کو ناکام رکھنے کی کوشش کرنے لگے۔ آپؐ کے پرچار کے راستے میں جو روڑے اٹکاتے تھے۔ ان کو چھوڑ کر جو تکلیفیں اور ظلم آپؐ پر کیے گئے۔ ان کی داستان نہایت دردانگیز ہے۔ راستے میں کانٹے بچھا دینا، گڑھے کھود دینا، غلاظت آپؐ کے جسم پر پھینک دینا — یہ تو معمولی مظالم تھے۔ اسی طرح بچوں کو آپؐ کے پیچھے لگا دینا، تالیاں پٹوانا، طعنے اور فقرے کسنا یہ بھی معمولی باتیں تھیں۔ ان کے علاوہ پتھروں کی بارش سے آپؐ کے جسم کو لہولہان کر دینا اور اس پر بھی بس نہ کرنا، بلکہ تین سال تک مسلسل نہایت سخت ہر قسم کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا یہاں تک کہ دانہ پانی تک اُس مقام پر نہیں پہنچنے دیا جاتا تھا۔ جہاں محمدؐ صاحب اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر دیا گیا تھا۔ بچوں کے رونے کی آوازیں اور بڈھوں اور عورتوں کی بھوک پیاس کی شدّت سے چیخوں کو ظالم سنتے تھے۔ مگر کیا مجال جو دانہ بھی پہنچنے دیں۔ یہ صورت مسلسل تین سال تک جاری رہی۔

اس پر بھی مخالفوں نے بس نہیں کیا۔ بلکہ امکانی جسمانی اذیت رسانی کے بعد قتل کی سازش کی۔ متعدد لوگوں کو آمادہ کیا کہ وہ آپؐ کو قتل کر ڈالیں۔ قتل کے انعامات مقرر کیے اور جب اس میں کسی قسم کی کامیابی نہیں ہوئی، تو ایک گہری سازش کی اور تمام خاندان کے سرداروں نے متفق ہو کر قتل کرنے کی ایک سکیم تیار

کی اور اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کی سرتوڑ کوشش کی اور آخر کار محمدؐ صاحب ہجرت کرنے یعنی اپنے پیارے وطن مکہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے۔ وطن چھوڑ دینے پر بھی آپ کے مخالف خاموش نہیں ہوئے، بلکہ مدینہ تک پیچھا کیا اور وہاں بھی قتل کی سازشیں کیں، لیکن اس قدر مصائب و مشکلات کے باوجود حضرت محمدؐ صاحب اپنے مشن کے پرچار میں برابر لگے رہے اور ایک لمحہ کے لیے بھی خاموش نہیں ہوئے۔

ایک دفعہ جب مخالفوں کی چیرہ دستیاں اور ظلم و ستم حد سے بڑھ گئے تو آپؐ کے چچا ابو طالب نے جو محمدؐ صاحب کے مربی و حمایتی تھے کہا۔ کہ "محمدؐ! اب تو مظالم اور سختیاں قوت برداشت سے باہر ہو گئی ہیں اور تمہاری وجہ سے تمام خاندان مصیبت میں مبتلا ہے۔ اس لیے بہتر ہوگا کہ تم اپنا کام ترک کر دو۔ یا کچھ دنوں کے لیے ملتوی کر دو۔ حضرت محمدؐ نے اپنے چچا ابو طالب کو جواب دیا کہ "چچا جان! اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے پر چاند رکھ دیا جائے۔ اور تمام دنیا کی بادشاہت عطا کر دی جائے۔ تب بھی میں خدا کی وحدانیت و یکتائی کا پرچار کرنے سے باز نہیں رہوں گا۔ آپ سب لوگ مجھے چھوڑ دیں۔ میری وجہ سے آپ اور خاندان والے مصیبت نہ اٹھائیں۔ میرا محافظ میرا خدا ہے اور وہی کافی ہے۔" چنانچہ اس کے بعد آپؐ اور زور شور سے اپنے مشن کا پرچار کرنے لگے۔

اسی طرح ایک دفعہ مکہ والے تمام لوگ جمع ہوئے اور انہوں نے آپؐ سے کہا۔ کہ اگر تم بادشاہت چاہتے ہو، تو ہم سب تمہیں اپنا بادشاہ تسلیم کیے لیتے ہیں۔ اگر تم دولت کے بھوکے ہو، تو ہم سب مل کر اتنا بڑا خزانہ جمع کیے دیتے ہیں کہ سارے

عرب میں کسی کے پاس نہیں ہوگا اور اگر تم خوبصورت عورت کے خواہاں ہو تو تمام
عرب میں سب سے زیادہ حسین و جمیل جو عورت آپ پسند کریں۔ اس کی آپ سے
شادی کر دی جائے۔ مگر آپ جس مذہب کا پرچار کر رہے ہیں اس کو چھوڑ دیں حضرت
محمدؐ صاحب نے اس کا بھی وہی جواب دیا۔ جو ایک صادق اور مخلص رہبر دے سکتا
ہے۔ یعنی آپ نے فرمایا کہ مجھے ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی ضرورت نہیں
ہے۔ اگر یہ سب چیزیں اکٹھی کر دی جائیں یعنی بادشاہت، دولت اور حسن ــــ تب
بھی جو مشن میرے سپرد میرے خدا نے کیا ہے۔ میں اس کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔

ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ حضرت محمدؐ صاحب کو اپنے مشن کی سچائی
پر پورا اعتماد اور کامل بھروسہ تھا اور یہ چیز پہاڑ سے زیادہ بلند اور مضبوط عزم و
ارادہ پیدا کرتی ہے۔ چنانچہ ہم سب محمدؐ صاحب کی لائف میں صاف طور سے دیکھ
سکتے ہیں کہ ایک طرف ان کو اپنے مشن کی سچائی پر اٹل وشواش تھا اور دوسری طرف
وہ عزم و ارادہ کے اس قدر مضبوط تھے کہ پہاڑوں سے زیادہ۔ پہاڑ اپنی جگہ سے ہل
جائیں۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب کے عزم و ارادہ میں کبھی رتی بھر تزلزل پیدا نہیں ہوا۔
نہایت سخت مصائب و آلام میں مبتلا ہوئے۔ سختیاں جھیلیں۔ مصیبتیں برداشت کیں
جان جوکھوں میں پڑی۔ قتل کی سازشیں ہوئیں۔ جسمانی تکالیف دی گئیں۔
آخر میں دیس نکالا ملا۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب کے پائے استقلال کو ذرہ بھر
جنبش نہیں ہوئی اور صداقت و خلوص کے جوش کے ساتھ آپ اپنے پوتر مشن
کی کامیابی میں لگے رہے اور اس عزم و استقلال کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ حضرت محمدؐ صاحب
کو اپنے مشن میں پوری کامیابی ہوئی اور صرف ۲۳ سال کی قلیل مدت میں آپ

نے اپنی ان تھک اور لگاتار محنت سے عرب جیسے وحشی و جاہل ملک کی کایا پلٹ کر رکھ دی۔

رسول اللہ کا تیسرا ساتھی

از سی۔ ایف اینڈریوز

انسان کی بزرگی اور عظمت کی جانچ ادبار و فلاکت کے وقت ہی ہوتی ہے برگزیدگی کا ثبوت جب ہی میسر آتا ہے۔ جب دنیادی اسباب و سامان راحت مفقود ہوں۔ مگر ایسے لوگ خال خال ہی نظر آئیں گے۔ جن کی بزرگی و عظمت کی روح جلیل اس وقت ہویدا ہوئی ہو۔ جب ظاہری اسباب دنیا معدوم اور وہ بے سرو سامان ہوں۔

ایسی برگزیدگی اور شرف و عظمت کی دلیل ہمیں محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں ملتی ہے جو قبل ہجرت اُن کی ذات سے ظہور میں آئی۔

ہجرت سے چند یوم پیشتر وہ مکہ میں بالکل یکہ و تنہا اور بے یار و مددگار تھے۔ اگر حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور چند دیگر یارانِ باوفا کو مستثنیٰ کر دیا جائے، تو ایسا نظر آتا ہے۔ جیسے ان کی رسالت کا مشن ناکام ہو گیا ہو، خود آنحضرت کی ذات خطرات میں گھری ہوئی اور قطعی غیر محفوظ تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ قریش ہی ہر جگہ فتح مند نظر آتے تھے اور خطرات ایسی نوبت کو پہنچ چکے تھے کہ ایک ایک دن، ایک ایک لمحہ جو گزرتا تھا۔ اس شبہ کو پیدا کرتا تھا کہ کہیں ان کی زندگی اور مشن ہی ختم نہ ہو جائے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انہوں نے اپنے آپ کو موت کے منہ میں دے دیا ہو۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود ان کی جرأت و پامردی میں کوئی فرق نہ آیا اور دشمنوں میں گھرے رہنے کے باوجود اپنے کام کو انجام دیتے رہے تا آنکہ وقت آ پہنچا۔ جب سب کے لیے ترکِ مکان کا حکم آیا۔

انہوں نے صرف یہی نہیں کیا، بلکہ مدینہ میں ان لوگوں کو جو ان کے دوست اور معتقد تھے۔ جرأت آموزی کے پیغام بھیجتے رہے اور پامردی و ثابت قدمی کی تلقین فرماتے رہے۔ ان کا پیغام تھا۔

"کوشش میں لگے رہو اور خدا تعالیٰ سے امید قائم رکھو۔ ہم خود بھی اس کی ذات کے بھروسہ پر بیٹھے ہیں۔ تم میں سے ہر ایک کو اسی کے فضل کا انتظار کرنا چاہیے۔ اس کے بعد تم خود ہی دیکھ لوگے کہ راستی پر کون ہے؟ پس صبر و استقامت کے ساتھ کوشش میں مصروف رہو کیونکہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔"

جیسے جیسے وقت گزرتا گیا۔ مدینہ کے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا گروہ ایمان میں پختہ ہوتا چلا گیا۔ ایک موقع پر نصف شب گزری تھی کہ سب لوگ ایک پناہ کی جگہ آکر جمع ہو گئے۔ مگر یہ احتیاط کی گئی تھی کہ شبہ رفع کرنے کے لیے دو دو تین تین کی تعداد میں آئیں۔ بہر نوع ان کی تعداد ۷۵ تک پہنچ چکی تھی۔ جن میں دو جری عورتیں بھی شامل تھیں آنحضرتؐ اندھیرے میں تلقین فرما رہے تھے کہ ایک آواز آئی۔

"محمدؐ! اپنا ہاتھ پھیلایئے۔ اپنا ہاتھ دراز کر دیجئے"
سب نے بڑھ بڑھ کر حضورؐ کے ہاتھ پر بیعت کرنی شروع کر دی۔ یہ "بیعتِ عقبہ" کے نام سے مشہور ہے۔

قریش کو بھی اس واقعہ کی خبر ہوگئی اور وہ بڑے تلملائے اور نتیجتاً مسلمانوں پر سختیاں اور بھی بڑھ گئیں۔ آخر کار آنحضرتؐ نے حکم دیا۔

" مدینے چلے جاؤ، کیونکہ اس شہر میں اللہ تعالےٰ نے تمہارے بھائی بند بنا دیے ہیں اور تمہارے لیے وہاں مکان بھی ہیں۔ جہاں تم پناہ لے سکو گے"

الغرض، مسلمان تھوڑی تھوڑی تعداد میں مدینہ کی طرف جانے شروع ہو گئے۔ مکہ سے مدینہ کا فاصلہ دو سو پچاس میل ہے۔ ایک تیز رو قافلہ اس طویل فاصلہ کو گیارہ دن میں طے کر سکتا ہے۔

اب تقریباً سب ہی مسلمان مدینہ پہنچ چکے تھے۔ ان مہاجرین کی تعداد ایک سو پچاس سے زائد نہ تھی۔ جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔

شروع شروع میں تو مسلمانوں کے اس عمل سے قریش متعجب ہوئے، مگر پھر ان کو غصہ آیا اور اس کا سب سے بڑا مورد خود حضورؐ کی ذاتِ گرامی تھی۔ یہ وقت آنحضرتؐ کے لیے بہت ہی پُرخطر تھا اور ٹھیک اس وقت انہوں نے انتہائی جرأت و پامردی اور استقلال و استقامت کا نمونہ پیش کیا۔ حضرت ابوبکرؓ ہر روز مُصر ہوتے کہ حضورؐ بھی مدینہ چلے جائیں۔ مگر ہمیشہ یہی جواب ملتا۔ "ابھی میرے جانے کا وقت نہیں آیا ہے۔ اللہ کی طرف سے ابھی مجھے کوچ کا حکم نہیں ملا ہے۔" غالباً آپؐ کی خواہش یہی تھی کہ اپنے تمام پیروؤں کو مدینہ پہنچا ہوا دیکھ لیں۔ تب وہ خود ادھر کا رخ کریں۔ بالکل ایسے

ہی جیسے کہ جب کوئی جہاز سمندر پر رواں دواں ہو، تو اس کا کپتان زمین پر سب سے آخر میں اترتا ہے۔ یہی معاملہ آنحضرتؐ کے ساتھ درپیش تھا اور ہوا بھی یہی کہ جب سب مسلمان پہنچ گئے۔ تب انہوںؐ نے مکہ کو الوداع کہا۔

اسی دوران میں قریش سازشیں کر رہے تھے۔ سازش یہ تھی کہ آنحضرتؐ کی روانگی سے پہلے انہیںؐ ہلاک کر دیا جائے۔ وہ اپنے داؤں پر لگے ہوئے تھے اور سرگرمی کے ساتھ اپنے دشمن (آنحضرتؐ) کے قتل کیے جانے کی امید لگائے بیٹھے تھے اس وقت جو عالم تھا اس کا قرآن مجید میں ذکر یوں آیا ہے۔

"اور اس وقت کا خیال کرو، جب کہ کافروں نے تمہارے خلاف اس لیے سازش کی تھی کہ یا تو تم کو روک لیں یا قتل کر دیں یا شہر سے نکال دیں بے شک انہوں نے سازش کی اور خدا نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب سے اچھا تدبیر کرنے والا ہے۔"

قریش نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ آنحضرتؐ سے ملاقات کی جائے اور اغلب تھا کہ وہ اپنے بد ارادوں کو عمل میں لانے کے لیے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے۔ بہر نوع آنحضرتؐ نے آنے والے خطرات کا پہلے سے اندازہ کر لیا تھا اور ہر پہلو نظر میں تھا۔ حضرت علیؓ مکان میں بستر پر سرخ کمبل اوڑھے لیٹے تھے، تاکہ لوگوں کو یہ معلوم ہو کہ حضورؐ استراحت میں ہیں، یوں حضورؐ، حضرت ابوبکرؓ کے مکان پر تشریف لے گئے تھے، جب حضرت ابوبکرؓ کو یہ علم ہوا کہ ہجرت کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ کہ اب حضورؐ کی معیت بھی نصیب ہو گی، تو خوشی کے مارے ان کی آنکھیں اشکوں سے لبریز ہو گئیں۔

مختصر یہ کہ دونوں شہر سے نکل کر حدود شہر سے باہر پہنچے، راستے ناہموار تھے مگر ان کا سفر جاری رہا۔ تاآنکہ وہ ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے۔ یہ پہاڑ "ثور" کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں انہوں نے ایک غار میں پناہ لی۔ قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں آیا ہے۔

"بے شک اللہ نے رسولؐ کی مدد کی۔ جب کہ کافروں نے انہیں ایک ہمراہی کے ساتھ نکال دیا۔ جب کہ وہ دونوں غار میں بے یار و مددگار تھے اور جب کہ رسولؐ نے اپنے ساتھی سے کہا" پژمردہ مت ہو، کیونکہ تحقیق اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے ان پر اپنا امن نازل کیا اور ایسی فوج کے ساتھ اس کی مدد کی جسے تم نے دیکھا اور کافروں کی باتوں کو ذلیل کیا اور خدا تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور وہ قادر اور حکیم مطلق ہے۔"

تاریخ اسلام میں اس واقعہ سے زیادہ اور کوئی واقعہ مشہور نہیں۔ حقیقت یہ بھی ہے کہ وہ ہے بھی اس شہرت کا مستحق۔ کیونکہ خطرات انتہا کو پہنچ چکے تھے اور حضرت ابوبکرؓ جیسے شخص جو دنیا کے نہایت ہی دلیر اور جری انسان تھے۔ موت کو اپنے سامنے دیکھ کر کانپ گئے تھے۔ مگر صبح کو جب سورج کی کرنیں غار میں پڑی ہیں، تو اس وقت نظر آیا کہ غار کا منہ اوپر سے کھلا ہوا ہے اور اوپر سے سب کچھ دکھائی دیتا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا "کیا ہو اگر کوئی قریشی اوپر سے جھانکنے لگے؟ ممکن ہے وہ ہمیں اپنے قدموں کے نیچے دیکھ لے۔"

"اس پر حضورؐ نے فرمایا" ابوبکرؓ! اس بات کا خیال نہ کرو کہ ہم دو ہیں۔ نہیں ——— بلکہ درمیان میں ایک تیسرا خدا بھی ہے۔" ایسے پرخطر موقع پر یہ الفاظ جو حضورؐ کے منہ سے نکلے۔

اس قابل ہیں کہ مشاہیر عالم کے اقوال کے ساتھ انہیں خلوص و محبت کے ساتھ محفوظ کر لیا جائے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ ہی اپنے اس مختصر مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ یہ الفاظ ہی اس موقعہ کا اہم ترین حصہ ہیں۔ واقعہ کا اختتام مجملاً یوں بیان کیا جاتا ہے کہ تین دن تک تلاش جاری رہی۔ تیسری رات بڑی اندھیری آئی اور نہایت جانکاہ دقتوں کے بعد بال بال بچتے ہوئے وہ آخر کار مدینہ پہنچ گئے۔ جیسے ہی حضورؐ وہاں پہنچے۔ شاداں و فرحاں عقیدت مندوں نے انہیں چاروں طرف سے اپنے حلقہ میں لے لیا۔

یہ واقعہ، جسے میں نے یہاں مجملاً بیان کیا۔ ہر مسلمان کو یاد ہے۔ ہاں، یہاں صرف ایک بات نئی ہے اور وہ یہ کہ اس موقع پر یہ واقعہ ایک عیسائی نے لکھا ہے۔

میں مسلمان نہیں ہوں، مگر غار ثور کے اس واقعہ کی مدح ضرور کرتا ہوں اور بصد احترام۔ جب کہ آنحضرتؐ نے فرمایا "ابو بکرؓ! اس بات کا خیال نہ کر کہ ہم دو ہیں۔ نہیں، ایک تیسرا۔ خدا۔ بھی ہمارے درمیان ہے"

اگر میں نے یہ واقعہ کسی غلط پیرایہ میں بیان کر دیا ہو۔ یا جزیات میں مجھ سے فروگزاشت ہوئی ہو تو اہلِ نظر مجھے معاف فرمائیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرا ارادہ بحث کا نہیں تھا، بلکہ صرف یہ تھا کہ اس ارفع و قابلِ احترام واقعہ کا تذکرہ کروں جو حقیقتاً مستحق توصیف ہے۔

آنحضرتؐ کی عظمت و برگزیدگی کو، جب یہ الفاظ مبارک انؐ کی زبان سے نکلے۔ سمجھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس وقت کی جو حالت تھی اسے بھی نظر سے اوجھل نہ ہونے دیا جائے۔ عالم یہ تھا کہ لوگ جہل اور باطل میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بے رحمی اور

عیش کوشی میں مبتلا تھے۔ قریش کا مذہب بجز بت پرستی کچھ نہ تھا۔ دُختر کشی تو ان میں عام رائج تھی۔ زنا کی کثرت کا کیا بیان۔ حد یہاں تک پہنچی ہوئی تھی کہ باپ کے مرنے کے بعد لڑکا اس کی بیویوں میں سے جس سے چاہتا شادی کر لیتا۔ اس پر ہی بس نہ تھا۔ گناہوں کا یہ حال تھا کہ ان کا بیان انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے۔

مہیب خطروں میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود آنحضرتؐ کے پائے استقامت اور ایمان میں کوئی فرق نہیں آیا۔ انہوں نے اپنے ارد گرد مرد و زن کی ایک مختصر سی جماعت ہی میں ایک نئی روح پھونک دی ــــ خیال کیجیے وہ جس ماحول میں گھرے ہوئے تھے۔ وہ کیا تھا؟ اور حضورؐ کی ذات ان سے کس قدر مختلف تھی۔ وہ جس گرد و پیش میں رہتے تھے، وہاں ہر روز ایک تازہ پرستش ہوتی تھی۔ آنحضرتؐ کو اس بت پرستی اس اوہام نوازی اور باطل کی پوجا سے دلی نفرت تھی، وہ ان پر حقارت کی نظر ڈالتے تھے۔ انؐ کا ایمان صرف خدا پر تھا۔ اس کے فضل و کرم اور جود و بخشش پر تھا۔ دوسروں سے مہر و محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔ سچائی اور انصاف سے کام لیتے تھے۔ غرض یونہی وہ روز بروز ایک اَن دیکھے خدا کے نزدیک سے نزدیک تر ہوتے چلے گئے۔ انؐ میں آخرت پر یقین اور گناہوں سے خوف کا جذبہ جاگ چکا تھا۔

یہ ساری حیرت میں ڈال دینے والی تبدیلیاں بہت ہی قلیل عرصہ میں نمو پاگئیں اور اس کی ساری وجہ اللہ پر ایمان تھا، جو آنحضرتؐ کے دل میں جاگزیں ہو چکا تھا۔ اگر آنحضرتؐ اس دورِ ابتلا میں اپنے کام سے قاصر رہتے، تو یہ سارے اوصافِ جلیلہ بھی ان میں سے اس طرح غائب ہو جاتے جیسے بیدار ہونے پر خواب ــــ مگر نہیں وہ کام میں کبھی نہیں چُوکے۔ انؐ کا خدا پر کامل تکیہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ انؐ کے منہ سے بھی یہی نکلا۔

"ابوبکرؓ! اس بات کا خیال نہ کرو کہ ہم دو ہیں۔ نہیں ہمارے درمیان ایک تیسرا بھی ہے۔ خدا! ایسے ہی کسی مرحلہ تک پر جب یہ الفاظ میرے سامنے بولے جاتے ہیں، تو میرا دل روحانی خوشی سے لبریز ہو جاتا ہے۔

اس واقعہ کے علاوہ اور بھی بہت سے واقعات ہیں۔ جو لبعد میں رونما ہونے رہے۔ مگر ایک عیسائی ہونے کی حیثیت سے میں ان کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ مگر ان الفاظ کی تعریف و توصیف کیے بغیر بھی نہیں رہ سکتا۔ جب کبھی میں ان الفاظ کو دہراتا ہوں تو وجدان روحانی جوش و خروش سے جھومنے لگتا ہے۔ یہ الفاظ بار بار میرے ذہن میں عود کر آتے ہیں۔" ابوبکرؓ! یہ مت خیال کرنا کہ ہم دو ہیں—— نہیں، ہمارے درمیان ایک تیسرا بھی ہے—— خدا"
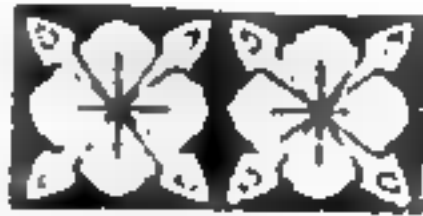
رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ سلطنت

جنابِ رانا بھگوان داس صاحب بھگوان

قدسی صفات انبیاء و مرسلین کے طبقاتِ عالیہ میں حضور سرورِ کائنات کی وہ فقید المثال شخصیت ہے۔ جس میں روحانی و مادی اقتدارِ اعلیٰ کے اوصافِ حسنہ بدرجۂ کمال ودیعت کیے گئے تھے، لیکن سرورِ کائنات کے نظامِ سلطنت پر غور و فکر کرنے سے پہلے عرب کے سیاسی نظام کا اجمالی جائزہ لینا، بایں سبب ناگزیر ہے کہ حقائقِ سیاسیہ اور مابہ الامتیاز کیفیات اجاگر ہو جائیں۔

ظہورِ قدسی سے قبل عرب میں کوئی ایسا نظامِ حکومت رائج نہیں تھا جس کو باضابطہ طریقِ حکمرانی کے نام سے موسوم کیا جائے۔

ظہورِ قدسی سے قبل عرب کا نظامِ حکومت

عرب میں قبائلی راج قائم تھا۔ یہ قبائلی اقتدار افرادِ قبیلہ کی شیرازہ بندی اور قبیلہ کے باہمی اعتماد سے وجود پذیر ہوتا تھا۔ شیخ قبیلہ کا اعزاز، نسب اور دولت و ثروت

کا مرہونِ منت تھا۔ جزیرہ نمائے عرب کے اس نظام میں عدلیہ، فوج اور محاصل جیسے اہم شعبہ جات کا کوئی وجود نہیں تھا۔ بالفاظ دیگر یہ ایک ایسا غیر ترقی یافتہ نظام تھا کہ جو نہ مجرم کو سزا دے سکتا تھا اور نہ ہی امن و امان برقرار رکھ سکتا تھا۔ واضح رہے کہ قبیلہ کی صورت گری اور سربراہ قبیلہ کا انتخاب مختلف خاندانوں کے عوام کی رضا و اعتماد سے ہوا کرتا تھا۔ اس نظام میں آئین و ضابطہ کا فقدان تھا۔ البتہ وراثت کی عظمت اور روایات خاندانی کو ایک حد تک آئینی حیثیت حاصل تھی۔

عرب کے معاشرہ کا یہ نظامِ سلطنت تھا کہ سیدالکونینؐ نے امتیازِ آقا و غلام، برتری قبائل و نسلی امتیاز اور تمول و غربت کے امتیازات کو مٹا کر اسلامی مساوات کی اساس پر ایک دینی وحدت قائم فرمائی۔ خواجۂ عالم کی تعلیماتِ عالیہ نے راعی و رعایا، حاکم و محکوم شیخ قبیلہ و افراد قبیلہ کو متحد کر دیا تھا۔ محمد رسول اللہؐ کی عظمتِ رسالت پر جبینِ نیاز جھکانے والوں میں بھی ایک عظیم اکثریت اسلام کے قائم کردہ نظام کو محض دینی حکومت تصور کرتی ہے۔ لیکن اسلام کے نظامِ حکومت کا وسیع تر مطالعہ واضح کرتا ہے کہ یہ ایک سیاسی حکومت بھی تھی۔ صفحاتِ تاریخ شاہد ہیں کہ تاجدارِ یثرب نے دنیا کو ایک ایسے نظام سے متعارف کرایا، جو عبادات و تقدیس کے جلو میں نظم و نسق اور سیاست کی تابناکیاں بھی رکھتا تھا۔ صفحاتِ سیرت گواہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا یہ مقدس رسولؐ جو ساری رات عبادت گزاری میں صرف فرماتا تھا۔ میدانِ حرب و ضرب میں افواج کی سپہ سالاری کا فرض بھی انجام دیتا تھا۔ سرورِ عالم نے بنفسِ نفیس مقدمات کے فیصلے بھی صادر فرمائے ہیں۔

خاتم النبیینؐ کو دینی و سیاسی دونوں طاقتیں حاصل تھیں

زکواۃ کی رقومات بھی آپ ہی وصول فرماتے تھے اور انہیں مستحقین میں بھی آپ

ہی تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ فی الحقیقت خاتم النبیین کو دینی و سیاسی ـــ دونوں طرح کے کمالات اور دونوں طاقتیں حاصل تھیں۔ آپ کی عظمتِ نبوت کے تعلق سے اگر سیاسی طاقت کو ثانوی درجہ میں قرار دے دیا جائے، تو بے جا نہ ہوگا۔ تاجدارِ بطحا سیاسی مسائل میں اکابر صحابہؓ سے مشورہ فرماتے تھے۔ کائنات کے اس مدبرِ اعظم نے اکثر فرمایا ہے "لوگو! مجھے مشورہ دیا کرو"۔ واضح رہے کہ دینی مسائل میں سرورِ کائناتؐ اپنی رائے سے احکام جاری فرماتے تھے۔ سیرتِ طیبہ کے واقعات شاہد ہیں کہ مشرف بہ اسلام ہونے والے قبائل میں سیدِ کونینؐ و مکان نے اسلامی تعلیم کی خاطر اپنے نمائندے روانہ فرمائے۔ مدنی زندگی کے حالات انتہائی واضح اور صریح انداز میں اس حقیقت کے شواہد پیش کرتے ہیں کہ سرکارِ احمدِ مجتبیٰ نے مدینہ طیبہ میں دولتِ اسلامیہ کے نظام کی تاسیس فرمائی۔ اطراف و اکناف کے شہروں اور بڑے بڑے قبائل میں آپ کی جانب سے عمّال مقرر کیے گئے۔ حجاز و یمن کے ہر بڑے شہر اور ہر بڑے قبیلہ میں حضورؐ نے اپنے نائب مقرر فرمائے۔ تمام متعلقہ ملکوں اور شہروں میں نائبینؓ و عمّال کے تقرر کا مقصد اسلام کے سیاسی و دینی نظام کی ترویج و نفاذ تھا۔

ایک درہم یومیہ تنخواہ

حضورؐ خود مدینہ میں بھی اپنا نائب نامزد فرمایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غزوہ کی خاطر مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے، تو جناب سرورِ کائناتؐ نے حضرت عتاب بن اسیدؓ کو اپنا نائب مقرر فرمایا اور ایک درہم فی یوم ان کی تنخواہ بھی مقرر کی گئی۔ حضرت رسالتمآب کے عہد میں یہ پہلی تنخواہ تھی، جو کسی شخص کو دی گئی۔ ورنہ صحابہؓ کرام مالِ غنیمت سے صرف

اپنا حصہ ہی پاتے تھے۔ نظم و نسق کے تعلق سے متذکرہ صدر واقعات اس کی توضیح کرتے ہیں کہ نبی آخرالزماں نے اپنے مسعود مدنی دور میں ملکی نظم و نسق کے نظام کا نقش اوّل قائم فرما دیا تھا۔

وفاتِ سرورِ کائنات کے بعد خلیفۂ اوّل حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے دورِ خلافت میں بھی آقائے نامدار کے مقرر کردہ عمّال کو برقرار رکھا۔ البتہ مالیات کے شعبہ کا اضافہ کیا گیا اور اس کی ذمہ داری حضرت ابوعبیدہؓ کو سپرد کی گئی۔ یعنی مملکت کی وزارتِ مالیات اپنی جداگانہ حیثیت میں پہلی بار متشکل ہوگئی جس کے ذمہ دار اور سربراہ حضرت ابوعبیدہؓ بنائے گئے۔

عدلیہ اور انتظامیہ کی تقسیم

فرائضِ قضاۃ (عدلیہ) حضرت فاروقِ اعظمؓ کو سپرد کیے گئے اور اس طرح مرکز میں انتظامیہ کو عدلیہ سے جدا کر دیا گیا اور اس کی جداگانہ حیثیت کو قائم فرما دیا۔ خلیفۂ وقت مسائل سلطنت میں بھی مطلق العنان نہیں تھے۔ بلکہ آپؓ کی ایک مشاورتی کونسل بھی قائم تھی جس کے ارکان حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی ابنِ کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ مقرر کیے گئے تھے۔

دولتِ اسلامیہ کی صوبائی تنظیم

خلیفۂ اوّل نے دولتِ اسلامیہ کو حسبِ ذیل صوبوں میں منقسم فرمایا تھا۔ مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، طائف، صنعا، حضر موت، خولان، زبید، رمع، جند، نجران، جرش اور بحرین

خلیفہ دوم حضرت عمر بن الخطاب ؓ کے زمانہ میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ بہت زیادہ وسیع ہو گیا، شام و ایران اور فلسطین و مصر کی عظیم مملکتیں قلمروئے اسلامیہ میں شامل ہو گئیں اور اب دولتِ عربیہ کا رقبہ وسیع سے وسیع تر ہو گیا تھا۔

سلطنتِ اسلامیہ فاروقِ اعظم ؓ کے دور کے عظیم حلقے

اس منتہم بالشان مملکت کے بہتر انصرام و انتظام کی خاطر حضرت عمر فاروق ؓ نے سلطنت اسلامیہ کے شیرازہ کو مضبوط و مستحکم بنانے کے لیے انتظامی نقطۂ نگاہ سے سلطنت کو چند بڑے حلقوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ عہدِ فاروقی میں حسبِ ذیل انتظامی حلقے قائم کیے گئے تھے۔ ولایت اہواز و بحرین، ولایت سجستان، مکران و کرمان ولایت طبرستان، ولایت خراسان، بلادِ فارس، ولایت کوفہ، ولایت بصرہ، ولایت حمص، ولایت دمشق، ولایت فلسطین، مصرِ علیا، مصر[۱۳]، اسفل مصر عربی اور صحرائے لیبیا۔ متذکرہ صدر صوبہ جات میں نظم و نسق عمال کی نگرانی میں قائم تھا۔ واضح رہے کہ فاروقِ اعظم ؓ کے دور میں والیانِ صوبہ مطلق العنان نہیں تھے۔ بلکہ اپنی قوت و طاقت خلیفۂ وقت سے حاصل کرتے تھے۔

علاقوں اور صوبوں میں عمال کے فرائض

تمام علاقوں اور صوبوں میں عمال حسبِ ذیل فرائض انجام دیتے تھے۔ مساجد میں امامت۔ زمانۂ جنگ میں لشکرِ اسلام کی سپہ سالاری۔ مالیاتی جمع بندی اور دیگر فرائض متعلقہ دولتِ اسلامیہ کی سرانجام دہی کو خصوصی حیثیت حاصل تھی۔ عامل خراج سب سے زیادہ اہم

عامل ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ حصولِ خراج کی ذمہ داریاں رکھنے والا عامل والیٔ علاقہ کے پہلو بہ پہلو اپنے فرائض انجام دیتا تھا، لیکن اقتدارِ کامل والی ہی کو حاصل تھا۔ یہاں اس امر کی تصریح بھی ضروری ہے کہ مالیات کے اس اعلیٰ افسر کا تقرر بھی براہِ راست مرکزِ خلافت سے ہوا کرتا تھا ایک صوبہ میں دو مختلف فرائضِ منصبی انجام دینے والے اعلیٰ حکام کی موجودگی تقسیم کار کی توضیح کرتی ہے۔ ایک حاکم صوبہ کے نظم ونسق کا ذمہ دار تھا اور دوسرا شخص امورِ مالیات کا افسرِ اعلیٰ ہوتا تھا۔ خلیفۂ دوم امیرالمومنین حضرت عمر فاروقؓ کے جلیل القدر دور میں وسیع تر قلمروئے اسلامیہ کا پورا نظام اپنی واضح صورت کو پیش کرتا ہے۔

امیرالمومنینؓ کا عمال سے ضروری خطاب

سربراہِ سلطنت کی بصیرت افروز رہنمائی میں نظم ونسق کی پوری ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ رعایا کی خوش حالی وجذبۂ خدمت کی اعلیٰ قدروں کی عکاس وہ خصوصی تقریریں ہیں، جو امیرالمومنین بوقت تقرر عمال کے سامنے فرماتے تھے۔

فاروقِ اعظمؓ نے بوقت تقرر ایک عامل سے خطاب فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا۔

- میں نے امتِ محمدیہ کے تن بدن پر تمہیں عامل مقرر نہیں کیا ہے۔ میں نے تمہیں عامل اس لیے مقرر کیا ہے کہ تم لوگوں کے لیے نماز قائم کرو ان کے ساتھ حق کے ساتھ فیصلہ کرو۔ عدل کے ساتھ ان میں مال تقسیم کرو مسلمانوں کو اس لیے درے نہ لگاؤ کہ ذلیل ہوں۔ ان کو فوجی خدمات کے سلسلہ میں زیادہ دنوں تک نہ روکو کہ فتنہ میں پڑ جائیں۔ ان سے غفلت نہ برتو کہ وہ اپنے حقوق سے محروم رہیں۔ قرآن حکیم تجوید کے ساتھ پڑھا کرو۔ میں تمہاری ذمہ داریوں میں تمہارا

شریک ہوں ۔"

شعبۂ عدلیہ کی ممتاز حیثیت

حضرت عمر فاروق رضؓ کے عہد میں شعبۂ عدلیہ بھی ایک ممتاز اور باضابطہ حیثیت اختیار کر چکا تھا۔ خود خلیفۂ وقت، فریضۂ معدلت گستری میں کسی رعایت اور امتیاز کو ملحوظ نہیں رکھتے تھے۔ واقعات شاہد ہیں کہ انصاف کے مقدس فرض کی ادائگی میں نہ بڑے سے بڑے عامل حکومت کی آپؓ نے کوئی پرواہ کی اور نہ ہی اپنے لختِ جگر کو معاف فرمایا۔ آپؓ کی عدالت میں ضعیف سے ضعیف تر انسان بھی قوی تر تھا اور طاقتور سے طاقتور ظالم بھی ضعیف ترین انسان تھا۔

شعبہ عساکر کی جداگانہ تنظیم

اسلام کے اس جلیل القدر سردار فاروقِ اعظمؓ نے شعبۂ عساکر کی جداگانہ تنظیمی نوعیت کی بھی داغ بیل ڈال دی تھی۔ عساکرِ اسلامیہ خلیفۂ وقت کی گہری توجہات کا مرکز تھے۔ ان کی ضروریات، خوش حالی، مقتضیاتِ زندگانی نیز آسائش کا پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔

کفن بردوش مجاہدین کا نظم وضبط

شمشیر و سناں سے کھیلنے والے کفن بردوش مجاہدین میں حضرت عمرؓ نے نہ صرف نظم وضبط پیدا کیا، بلکہ آپؓ نے بہادرانِ تیغ زن کو ظلم واستبداد سے بھی باز رکھا جب

کبھی کوئی جیش مہم پر روانہ ہوتا تو آپؓ اسے بلند پایہ نصائح فرماتے تھے۔

"خوفِ خدا پیدا کرو۔ ظلم اور عدوان سے اجتناب کیا کرو۔ جنگ میں بزدلی نہ دکھاؤ۔ مقتولین کے مُثلہ سے پرہیز کرو۔ غلبہ کے وقت حدِ اعتدال سے تجاوز نہ کرو۔ بوڑھوں، عورتوں اور بچوں کو تہ تیغ نہ کرو۔ جس وقت گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہو۔ اس وقت بھی ان کے قتل پر ہاتھ نہ اٹھاؤ۔"

وسیع سلطنت کے جمیع شعبہ جات کی ترتیب

غرض کہ فاروقِ اعظمؓ نے ایک وسیع سلطنت کے جمیع شعبہ جات نظم و نسق کے قیام و ترتیب کا واضح طریقہ متعین فرمایا۔ خلیفۂ ثالث حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے اپنے عہد میں حضرت عمرِ فاروقؓ کے اس قائم کردہ انتظامیہ طریق کو بجنسہٖ باقی رکھا اور فاروقی آئین و ضوابط کے مطابق نہ صرف عمّالِ حکومت کو جہانبانی و حکمرانی کی ہدایت کی، بلکہ انتخابِ خلافت کے فوراً بعد آپؓ نے امرأ فوج اور صوبوں کے عمّال کے پاس جو مکتوب روانہ فرمایا۔ اس میں آپؓ ان سے یوں خطاب فرماتے ہیں۔

"حضرت عمرؓ نے جو ضوابط و فرائض تمہارے لیے مقرر کیے تھے۔ وہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہیں، بلکہ وہ سب ایک ایسی جماعت کے سامنے طے پاتے تھے۔ میں جس میں خود شریک ہوتا تھا۔ ان میں کسی قسم کے تغیر و تبدّل کی اطلاع میرے کانوں تک نہ آنے پائے۔ ورنہ تم اپنے عہدوں سے معزول کر دیے جاؤ گے۔"

حضرت عثمانؓ غنی کے دورِ خلافت کے نصف آخر میں نظامِ سلطنت کے اداروں میں ضعف آگیا تھا۔ جس کے نتیجہ میں صوبوں میں بغاوت کی تحریکیں پیدا ہونے لگیں اور

اس افادی نظام کو سخت دھکا پہنچا۔

خلیفۂ چہارم، سیدنا علیؓ ابن ابی طالب، اسد اللہ الغالب کے دور میں بھی یہ نظام بغیر کسی تغیر کے قائم رہا، لیکن آپؓ کے عہد کے شدید بحران نے اس میں عظیم تعطل پیدا کر دیا تھا۔ الغرض، اس طرح خلفاء راشدین کا طریقِ حکمرانی ان حقائق کا عکاس ہے کہ سربراہانِ دولتِ اسلامیہ مطلق العنانیت کو انتہائی ناپسند فرماتے تھے اور مشاورت کے صحیح طریقہ ہی کو اختیار فرماتے تھے، چنانچہ مہماتِ دولت کے انتظام و انصرام میں "مجلسِ شیوخ" سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس مجلس کے ارکان اکابر صحابہ، اعیانِ مدینہ اور رؤسائے قبائل ہوتے تھے۔ اس مجلس کے اجلاس مشاورت مسجدِ نبوی میں منعقد ہوا کرتے تھے اور خلفاء ارکانِ مجلس سے مشاورت کے بغیر کسی امر کا فیصلہ نہیں کرتے تھے۔

مسجدِ نبوی۔ دولتِ اسلامیہ کا ایوانِ پارلیمنٹ

نظم و نسق اور مفادِ عامہ کے تمام امور طلوعِ اسلام کے اس عہدِ اوّل میں عموماً مساجد میں ہی طے پایا کرتے تھے۔ حضرت سیدِ عالمؐ کے عہدِ مسعود ہی سے مسجد ہر نوعیت سے اجتماع و تنظیم کا مرکز تھی۔ قرآن و حدیث کی تعلیم کے مراکز بھی مساجد ہی تھیں۔ علی الخصوص مسجدِ نبوی امامت و عبادت اور عدالت و مشاورت کا خاص مرکز تھی۔

محمد الرسول اللہؐ مسجد میں سفراء کا استقبال کرتے تھے۔ مہماتِ دولت کا مسجد ہی میں انتظام فرماتے تھے۔ سیاسی و دینی مسائل پر عامۃ المسلمین سے خطاب بھی آپؐ مسجد ہی میں فرمایا کرتے تھے۔ خلفاء راشدین کا انتخاب بھی مسجد ہی میں ہوا۔ اسلام کے عہدِ اوّل میں دولتِ اسلامیہ کے سربراہ نے پہلی مرتبہ قوم کو منبرِ مسجد ہی سے خطاب فرمایا۔ متذکرہ صدر حقائق گواہی

دیتے ہیں کہ دولتِ اسلامیہ کا ایوانِ اقتدار، حکومتِ اسلامیہ کا پارلیمان، مقامِ عبادت و تشنگاہِ ارکان دولت اور دربار سربراہِ مملکت کی حیثیت مسجدِ نبوی کو حاصل تھی۔ بالفاظِ دیگر اقتدار دینی و دنیوی کا ایوانِ مرکزی مسجد ہی کو قرار دیا گیا تھا۔ اِن متذکرہ حقائق نے یہ بات ثابت کی ہے کہ حضورؐ سرورِ کائنات کے سایۂ تربیت و تعلیم میں دولتِ اسلامیہ کی تاسیس ہوئی اور نظم و نسق کے نقوش قائم ہوئے اور پھر خلافتِ راشدہ کے مبارک عہد میں اپنی نوعیت کا یہ عدیم المثال سیاسی نظام ذیشان انداز سے عرب کی وسیع و عریض سلطنت میں قائم ہوا اور اس طرح قائم ہوا کہ آج بھی اسے خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لیے ماہرین سیاست مجبور ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہترین سیاست

جناب رانا بھگوان داس صاحب

نصرت و فتح کی حامل قوتوں اور مفتوح طبقات کی کش کش عمرانی زندگی کے ارتقاء میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔ صحیفۂ مدنیات کے اوراقِ پارینہ شاہد ہیں کہ مدنی زندگی کی درخشانی میں فاتح کی فیض گستر از کرم فرمائیاں اساسی نوعیت کی حامل رہی ہیں۔ بنی نوع انسان کے مسائل صلح و جنگ اور معاہداتِ امن کے علاوہ انسانی معاشرہ کی خوشحالی کا دارومدار فاتح کے تدبر پر ہے۔ تاریخ عالم کے صفحات شاہد ہیں کہ فاتحین کی خون آشامی اور وحشت و بربریت، بالادستی و برتری نیز عسکری قوت کے اندوہناک مظاہروں سے مفتوحہ علاقوں پر تسلط حاصل کیا جا سکتا ہے، لیکن تسخیر قلوب مفتوحین کے اقدام معجز نما کے بغیر اصولوں کی کامرانی اور مقاصد کی جاودانی ممکن نہیں ہے۔ بلاشک فاتح کی شانِ امتیازی، سطوتِ سیاسی اور شوکتِ اقتدار کے جابرانہ دبدبہ، سفاکانہ طریقے لوٹ کھسوٹ اور خون ریز فسادات سے حکمرانی کی جھوٹی عظمت کو تو برقرار رکھا جا سکتا ہے، لیکن ظلم و استبداد سے پیدا شدہ جذبۂ اشتعال اور نفرت و انتقام کی آتشیں چنگاریوں کو شعلہ بداماں

ہونے سے نہیں روکا جا سکتا اور فاتحانہ سفاکی اور درندگی و بہیمیت کی وجہ سے انتہائی قلیل عرصہ میں فاتحانہ جلال کے فلک بوس قصر زمین پر آرہے ہیں۔ جب ہم مشاہیر فاتحینِ عالم کی فقید المثال فتح مندیوں اور فاتح اقوام کی کارفرمائیوں پر فکر عمیق کرتے ہیں، تو یہ حقائق واشگاف ہوتے ہیں کہ فاتح میں شانِ رحمت کے مفقود ہونے اور کامران اقوام کی سفاکیوں کے باعث بہت جلد عظمت فتح کا پرچم پارہ پارہ ہو جاتا ہے اولادِ آدم کے اوّلین عہدِ عظمت میں اقوامِ مشرق کی داستانِ عروج و زوال کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ دارائے ایران کی عظیم کشور کشائیاں ہوں۔ سکندر اعظم کی ذی شان کامرانیاں ہوں یا خاقانِ چین کی وسیع فتوحات ہوں فارس و روم کا جبر و تشدد ہو یا اہل چین اور آریائی قوموں کی استبدادیت ہو۔ اس نے فاتحین کے ایوانات عظمت و جلالت کو مسمار کر دیا ہے۔

دورِ وسطیٰ کے تیغ آزما سورماؤں کی فتح مندی اور عبرت انگیز زوال کے المیہ پر غور کرنے سے یہ حقیقت بھی بے نقاب ہو جاتی ہے کہ یزید اموی کی ستم گری، حجاج عراقی کی سفاکی، چنگیز و ہلاکو کی خون آشامی، ہونوں۔ گشائوں اور داہریوں کے مظالم نیز ہلاکو، رچرڈ، لوئی اور ولیم کے استبدادی طریقوں کے باعث ہی ان کے عظیم اقتدار کے پرخچے اڑ گئے ہیں۔ دورِ حاضر میں بھی اقوامِ فرنگ پرتگیزی، ولندیزی، اطالوی، فرانسیسی اور برطانوی فرمانروائی کا زوال، ان کے فاتحانہ استبداد سے پیدا ہونے والے بے شمار نتائج میں سے ایک نتیجہ ہے۔ بہرحال یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فاتح کی نگاہ و سفاکانہ اور طریق جابرانہ کے باعث فتح بے معنی اور عظمت کامرانی برباد ہو جاتی ہے۔

فاتحین کے لیے کملی والے آقا کا درسِ بصیرت

اولادِ آدم کی حیاتِ اجتماعیہ میں لازماً وقوع پذیر ہونے والے اس اہم ترو ناگزیر مسئلہ کے افادی پہلو کے تعلق سے جب محسنینِ انسانیت، پیشوایانِ مذہب اور عملی رہنماؤں کی ہدایات پر نظرِ غائر ڈالی جاتی ہے تو صداقت کے قوس و قزاحی جلوے میں یہ حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ مشاہیر و رہبرانِ ادیان میں حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسٰیؑ حضرت عیسٰیؑ، جناب زرتشت، جناب کنفیوشسں، سری رام چندر جی، سری کرشن جی، مہاتما بدھ اور گورو نانک نے اپنے پیروؤں کو پیار و محبت اور امن و شانتی کی تعلیمات سے سرفراز کرتے ہوئے رحم و کرم کی فیض گستریوں کو اجاگر فرمایا، لیکن انسانیت کے محسنِ اعظم اور اولادِ آدم کے فقید المثال مقدس مربی، کملی والے آقا محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے حیاتِ عمرانیہ کے تمام شعبوں میں نہ صرف لازوال و اکمل ترین تعلیمات پیش کی ہیں، بلکہ ہر مسئلۂ حیات پر بنفسِ نفیس عمل فرماکر منتم بالشان رہنمائی بھی فرمائی ہے۔

عملِ مصطفویؐ کے نقوشِ تاباں

صحفِ الہامیہ اور مذہبی کتابوں — تورات، انجیل، زبور، اوستا، ژند، گیتا، مہابھارت، رامائن، آدگرنتھ اور قرآنِ حکیم کے تقابلی مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ حضور ختمِ رسالتؐ، سرورِ عالمؐ، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عدیم المثال محسنِ انسانیت اور واحد پیکرِ عمل رہنما ہیں۔ عملِ مصطفویؐ کے نقوشِ تاباں ابدالآباد تک اولادِ آدم کے مقدس رہبر ہیں۔ بلاشک حاملِ دینِ اکمل ہی پوری کائناتِ

ارض کے رہبرِ اکمل ہیں۔ تیغ آزمائی و جنگ و فتح برقراریٔ امن اور حرمتِ بنی آدم کے تعلق سے رحمتِ عالم نے سربراہینِ ممالک، قائدینِ اقوام، کشور کشاؤں اور فاتحین عالم کو بصیرت افروز درس دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات و فتوحات کا فیضان

سیدِ عالم رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی حیاتِ اقدس کے غزوات، محاربات، فتوحات اور عہد و پیمانِ صلح اپنے اندر بے پایاں فیضانِ ہدایت رکھتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ کے واقعات میں فتحِ مکہ کو عظیم الشان حیثیت حاصل ہے۔ عظمتِ فتح، تسخیرِ قلوبِ مفتوحین اور کرم گستریٔ فاتحانہ کے جلوے فتحِ مکہ ہی سے جمال آرا ہوتے ہیں۔ ماہرینِ حربیات اور سیاسینِ عالم نے بالاتفاق مہرِ تصدیق ثبت کی ہے کہ صلح حدیبیہ کا معاہدہ داعیٔ اسلام کی رحمتِ ذی شان اور فرزندانِ توحید کی امن پسندی اور سیاسی بصیرت کا لازوال کارنامہ ہے، لیکن مشرکین قریش کی پیہم اسلام دشمنی، حبیبِ خدا کے ساتھ مسلسل سازشیں، لگاتار ریشہ دوانیاں اسلام کو فنا کرنے کی اعلانیہ و خفیہ کوششیں، نیز معاہدہ کی کھلی خلاف ورزی اور اسلام دشمن قبیلوں کی حمایت نے جب صلح نامہ حدیبیہ ختم کر دیا۔ تو آقائے کون و مکان حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ عازمِ مکہ ہوئے۔

اللہ۔ اللہ! تاریخ کا یہ کیسا عجیب و غریب انقلاب ہے۔ کل ہی کی بات ہے کہ حضور رات کی تاریکی میں اسی مکہ سے ہجرت فرما ہوئے تھے اور حضرت ابوبکرؓ کے علاوہ کوئی شریکِ سفر نہیں تھا، لیکن آج رسولِ اقدس کے دائیں بائیں، آگے پیچھے شمعِ نبوت

کے لاتعداد پروانے ہیں۔ جہاں تک نظر جاتی ہے۔ اسلام کے علمبردار محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے شیدائیوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر دکھائی دیتا ہے۔ حبیبِ خدا آگے بڑھ رہے ہیں۔ رحمتِ الٰہی ضیا بار ہے کہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) مکہ معظمہ میں جلوہ افروز ہو گئے۔ اور رحمۃ للعلمین کے خیر مقدم میں بیت اللہ نے جبین اقدس جھکا دی۔ کفر کی بے پایاں طاقت پارہ پارہ ہو گئی۔ باطل نے سسکیاں لے کر دم توڑ دیا اور حق سربلند ہو گیا۔

محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی مہتم بالشان و فقید المثال فتح پر کفر لرزاں و ترساں ہے۔ آج حجاز میں کوئی قوت نہیں ہے جو جمعیت مسلمہ کے مقابلہ میں آنے کا حوصلہ کر سکے۔ یہ وہی اہلِ مکہ ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو سخت اذیتیں دیں۔ ان میں وہ بھی دکھائی دے رہے ہیں۔ جنہوں نے اعلاءِ کلمۃ الحق کے حاملین کو خون میں نہلا دیا تھا۔ تپتی ریت پر گھسیٹا تھا۔ ہاتھوں میں کیلیں ٹھونکی تھیں۔ سینہ پر پتھر رکھے تھے۔ چٹائیوں میں لپیٹ کر شدید زودکوب کرنے والے اور دھواں دینے والے ظالم بھی اس گروہِ مشرکینِ مکہ میں نظر آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کو گھر سے بے گھر کرنے والے، رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور خانوادۂ رسول اللہ کا مقاطعہ کرنے والے، شعب ابی طالب میں رہنے پر مجبور کرنے والے دشمنانِ اسلام بھی کھڑے ہیں۔ محمد عربی کے راستہ میں کانٹے بچھانے والے، اللہ کے مقدس رسولؐ پر پتھر برسانے والے اور چادر سے حلقوم رسولؐ کا گھونٹنے کی ناپاک کوشش کرنے والے سفاک بھی آج نظروں کے سامنے ہیں۔ پیکرِ رحمت محمد رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قتل کی سازش کرنے والے ستمگر اور فرزندانِ توحید پر شمشیر و سناں سے یلغار کرنے والے جفاکار بھی صف بستہ قطار

ندر قطار سامنے کھڑے ہیں۔ یہاں تک کہ اسلام پر ظلم و استبداد کے پہاڑ توڑنے
والے رئیس مکہ ابوسفیان بھی آج اسلام کی قوت کے سامنے دست بستہ حاضر ہیں۔
کفر لرز رہا ہے۔ باطل سرنگوں ہے۔ اشقیاد عرب خود سمجھ رہے ہیں کہ انہیں کیفرِ کردار
تک پہنچایا جائے گا۔ تیرہ سالہ ظلم و استبداد کا بدلہ گن گن کر لیا جائے گا۔ آج کوئی قوت
ان کو اسلام کی تیغ آبدار سے نہیں بچا سکتی۔ ان پر موت کا بھیانک سماں طاری ہے۔ بہادرانِ
اسلام رحمتِ خداوندی پر نازاں ہیں۔ مظلوم فاتحین ستمگر مفتوحین کو انتقام کی قہر آلود نگاہوں
سے دیکھ رہے ہیں۔ کفارانِ قریش کی ۱۳ سالہ سفاکیوں اور قہرمانیوں کا نقشہ آنکھوں میں
پھر رہا ہے۔ نہ تو بلالؓ پر کیے گئے مظالم بھلائے جا سکتے ہیں اور نہ ہی عمارؓ بن یاسرؓ
کے خون میں نہانے کا منظر روح فرسا مسلمانوں کے دلوں سے محو ہو سکا ہے نہ بدر کی
خونریزیاں بھلائی جا سکیں ہیں اور نہ احُد کا ستم ذہن سے محو ہو سکا ہے۔ خدا کے مقدس
رسولؐ پر کیے ہوئے ظلم و ستم کی یاد سے انتقام کی آگ بھڑکتے ہوئے شعلوں میں تبدیل
ہو رہی ہے۔ جانبازانِ محمدؐ جذبۂ انتقام سے بے قرار ہیں۔ تلواریں نیاموں میں تڑپ
رہی ہیں۔ مجاہدینِ اسلام اپنے مقدس و مطہر سپہ سالار خواجۂ کون و مکان، سرورِ عالم
(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے حکم کے منتظر ہیں، لیکن اللہ اللہ! قربان جایئے۔ اس
فاتحانہ شانِ رحمت کے ــــــ

فاتح مکہ محمدؐ عربی کا منشور رحمت

ارشاد ہوتا ہے۔ گھر سے بے گھر کرنے والوں کو میں نے معاف کیا۔ تلواریں سونت
کر مقابل آنے والوں کو میں نے معاف کیا۔ علمبردارانِ اسلام کو اذیت دینے والوں کو میں نے

معاف کیا۔ قتل کی سازش کرنے والوں کو میں نے معاف کیا۔ یہودیوں سے سازش کرنے والوں کو میں نے معاف کیا۔ امیر حمزہؓ کے وحشی، قاتل کو میں نے معاف کیا۔ سیدالشہدا امیر حمزہؓ کی نعش مبارک کی بے حرمتی کرنے والی ہندہ کو میں نے معاف کیا۔ ابوسفیان کو معاف کیا۔ ابوسفیان کے گھر میں پناہ لینے والوں کو میں نے امان دی۔ آج تمہارے لیے کوئی سرزنش نہیں ہے۔ آج کے دن تم سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔ فاتح مکہ کی اس شانِ رحمت پر ملائکہ نے درود و نعت کے ترانے گائے اور کائناتِ ارض و سما کا ذرہ ذرہ پکار اٹھا۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ

مقامِ فکر ہے کہ ہادیٔ عالم، فاتح مکہ نے اپنے منشورِ رحمت سے فاتحین عالم کو کس قدر عدیم المثال و جاوداں درس دیا ہے۔ جزیرہ نمائے عرب کی تاریخ شاہد ہے کہ محمد رسول اللہ کے اس فرمانِ رحمت و محبت سے قلوب مسخر ہو گئے۔ فاتح مکہ کا یہ مقدس فرمان مقاصد رسالت کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوا۔ اور مکہ کی فتح کے ساتھ ہی فتح اسلام کا پرچم اہلِ عرب کے دلوں پر بھی لہرانے لگا اور سرزمینِ عرب سے کفر و ظلم کا نشان ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو گیا۔ حرمتِ انسانیہ کے جلوے جمال آرا ہوئے، سرزمینِ مفتوحہ "دارالامن" اور شہر مکہ "دارالسلام" قرار پایا۔ سبحان اللہ! فاتح کی شمشیرِ فتح سے خون نہیں ٹپکا۔ شمشیرِ محمدی سے پیار و محبت کے ڈھیر نیساں اور رحیمی و کریمی کے لعلِ بدخشاں کی برسات ہوئی۔ فتح مکہ نے خون آشامی و دردناکی کو ختم کر کے اخلاص، محبتِ جاوداں اور امن و عافیتِ ذیشان کا مقدس درس دیا۔ کاش! جنگ میں آگ و خون کے دریا پیدا کرنے والے فاتحین عالم جادۂ محمدی پر گامزن ہوتے۔

طریقِ مصطفوی کی پیروی ہی امنِ عالم کی ضامن ہے۔

لیگ آف نیشنز کے بعد عالمی جنگ کی غارت گری، انسانی حقوق کے چارٹر اور اس کے بعد ہمارے اس دور میں اقوامِ متحدہ کی موجودگی میں کوریا کی خونریزی، اسکندریہ پر بمباری، فلسطین میں اسرائیلی بہیمیت افریقہ میں الجزائر اور کانگو کی لرزہ خیز خون آشامیاں (کشمیر میں بھارت کا جبر و استبداد) اس حقیقت کو بے نقاب کرتی ہیں کہ موجودہ دور کی طاقتور حکمران قومیں تعلیماتِ محمدیہ سے غافل ہیں اور اسی غفلت کے باعث دنیا جہنم زار ہوتی جارہی ہے۔ مساعیِ امن کے باوصف امن ناپید ہوگیا ہے۔

بلاشک اگر دنیا کے حکمران فاتحِ مکہ کے مقدس درسِ عالی پر عمل پیرا ہوتے تو اولادِ آدم کے لیے یہ دنیائے ارضی بہشت بریں ہوجاتی۔ حضور سید المرسلین رحمۃ للعالمین محمد مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فتح مکہ میں فاتحین عالم کو فقید المثال درس دے کر نوعِ انسان پر احسانِ عظیم فرمایا ہے اور آج بھی صرف یہی طریقِ محمدی امنِ عالم کا ضامن ہے۔ رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نے فتح مکہ کے بعد ۲۳ سال کے قدیم ترین دشمنوں، صحابۂ کرامؓ کو ہولناک اذیتیں دینے والوں، خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے قتل کی سازشیں کرنے والوں اور مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے والوں کو معاف کر کے اہلِ مکہ کے دلوں کو مسخر کرلیا اور مفتوح قوم میں ذرا بھی جذبۂ انتقام پیدا نہ ہوسکا۔ یہی اسوۂ حسنہ آج بھی دنیا کی طاقتور قوموں اور بااختیار حکمرانوں کے لیے بہترین معیارِ عمل ہے۔

حضرت محمدؐ صاحب اور انسدادِ غلامی

لالہ شیام ناتھ ایم۔اے دہلی

بلاشبہ اسلام نے جہاں اور بے شمار اصلاحات کیں اور بنی نوع انسان کی خدمت میں شغف کا اظہار کیا۔ وہاں انسدادِ غلامی کے متعلق بھی اس کی مساعی بہت قابلِ قدر اور قابلِ توصیف ہیں۔ دنیا کے لیے سب سے بڑی لعنت اگر کوئی چیز تھی تو یہی غلامی تھی۔ خدا جانے کس منحوس ساعت میں اس رواج نے جنم لیا تھا کہ ہزار ہا برس گزر جانے کے بعد اب تک کسی نہ کسی حصۂ عالم پر اس کا وجود نظر آ ہی رہا ہے اور اب سے صدی ڈیڑھ صدی پیشتر تو یہ حالت تھی کہ ہر طرف ایک تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یوں اس کا رواج تو قدیم ہے اور ہر ملک اور ہر قوم اور ہر مذہب میں اس کا وجود پایا جاتا رہا ہے۔ ان کی خرید و فروخت بھی کوئی نئی بات نہ تھی، لیکن جو منظم صورت یورپ کے تاجروں نے اسے دی اور جس دلیری اور ڈھٹائی اور نظم و انضباط کے ساتھ انہوں نے ایک ذریعہ تجارت بنایا۔ اس کی نظیر تاریخِ عالم میں بھی ڈھونڈھے سے نہیں ملے گی۔ یورپ کے لوگ خواہ وہ انگلستان

سے تعلق رکھتے ہوں یا جرمنی سے، فرانس ان کا مسکن ہو یا ہالینڈ — افریقہ پہنچتے
امریکہ کی طرف نکل جاتے اور جانوروں کی طرح ہزارہا کی تعداد میں انہیں پکڑ کر
جہازوں میں بھر دیتے افریقہ گویا غلاموں کا جنگل تھا۔ ان سنگ دلوں نے
آبادیوں کی آبادیاں اجاڑ دیں۔ چونکہ جہازوں میں بری طرح بھر دیے جاتے تھے۔
لہٰذا ان کے لیے خورد و نوش کا سامان ناکافی ہوتا تھا۔ تکالیف سفر اور اذیت دم
کشی سے بہت سے تو راستہ ہی میں ختم ہو جاتے تھے اور جو بچ رہتے تھے۔ انہیں اچھے داموں میں
فروخت کر کے یہ تاجر خوب منافع اٹھاتے تھے۔ سلطنت روم جو ایک مہذب
سلطنت کہلاتی تھی، لیکن غلامی وہاں اپنی پوری بھیانک شکل میں موجود تھی ان
کے مالک ان سے اس قدر شدید مشقت لیتے تھے کہ بعض تو موت کی نذر ہو جاتے
تھے اور جو بچ رہتے تھے ان کی حالت جانوروں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔ کوڑوں
سے کھالیں ادھیڑ دی جاتی تھیں، لیکن کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہوتا تھا۔ بیشتر
آقا معمولی معمولی جرم پر ان کے جسم داغ دیتے، زندہ آگ میں جلا دیتے یا پانی میں
غرق کر دیتے تھے۔

ہندوستان کے غلام (اچھوت) جو اب سماجی مساعی سے آزاد ہوتے چلے
جا رہے ہیں۔ ہزاروں سال تک مصائب کا شکار اور دنیا کی ہر آسائش سے محروم
رہے ہیں۔ آج بھی انہیں مندروں میں داخل ہونے کی اجازت ہے اور نہ بعض
سڑکوں تک سے گزرنے اور عام کنوؤں سے پانی بھرنے کی غرضیکہ دنیا کے ہر ملک
میں یہ غلام طبقہ مصائب و آزار میں مبتلا تھا اور دنیا کے کسی گوشہ میں بھی کوئی
شخص انہیں انسان سمجھنے اور ان کی آسائش کی پرواہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ زمین

سخت تھی اور آسمان دُور۔ آخر الیشور نے اُن کی مظلومی، بے کسی پر ترس کھایا اور
عرب کے گرم خطے میں حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پیدا ہوئے۔ جنہوں نے
سب سے پہلے اس ذلیل اور پست طبقہ کی نجات کے متعلق قدم اٹھایا۔ چونکہ
غلامی کی جڑیں دور دور تک پھیلی ہوئی تھیں ہر کنبہ اور خاندان میں زر خرید غلام
موجود تھے اور ان کے کاروبار کی کامیابی، زراعت کے فروغ اور بہت سی
آسائشوں کا انحصار انہی پر تھا۔ اس لیے مصلحتاً آپؐ نے یہ کیا کہ غلاموں کو آزاد
کرنے کی بجائے غلامی کی مذمت شروع کر دی اور غلام بنانے اور غلام فروخت
کرنے والوں کو اس شدت و تواتر کے ساتھ ڈانٹا کہ عرب میں ایک انقلاب پیدا
ہونے لگا۔ تاجر غلام فروخت کرتے اور لوگ انہیں خریدتے ہوئے ڈرتے تھے۔
اس طرح گویا آپؐ نے پہلے اس سرچشمہ کو خشک کیا۔ جہاں سے غلاموں کی فوجیں
نکلتی اور اطرافِ عالم میں پھیلتی تھیں۔

غلاموں سے اچھے سلوک کی ہدایت

ساتھ ہی آپؐ نے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تلقین بھی شروع کر دی
یہ بھی دنیا میں اپنی نوعیت کی پہلی آواز تھی۔ غلام ایک ارذل ترین مخلوق سمجھی جاتی
تھی۔ عزت و سلوک تو ایک طرف وہ کسی آسائش و آرام کے بھی مستحق نہ سمجھے جاتے تھے
لیکن آپؐ کی پیغمبرانہ صدا معمولی صدا نہ تھی جو فضا کی وسعتوں میں کھو کر رہ جاتی
اس کا اثر ہونا تھا اور ہو کر رہا۔ اور سب سے پہلے مسلمانوں نے اس طرف توجہ
اور جوں جوں مسلمانوں کا اقتدار اور ان کا دائرہ اثر بڑھتا گیا غلاموں کی حالت

بھی سنورتی رہی۔ حضرت محمدؐ صاحب نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ غلاموں کے معاملے میں خدا سے ڈرتے رہو۔ جو خود کھاؤ وہ انہیں بھی کھلاؤ اور جو خود پہنو وہ انہیں بھی پہناؤ۔ انہیں تکلیف نہ دو۔ ان سے ان کی قوت سے زیادہ کام نہ لو آپؐ نے یہ بھی واضح کر دیا۔ کہ غلاموں کو گالیاں دینے والا بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ ان تلقینات و احکام کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلامی کا صرف نام ہی نام رہ گیا اور وہ ہر معاملہ میں آزادوں کے مساوی ہو گئے۔ غلام آقا کے دوش بدوش کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے۔ جنگوں میں لڑنے لگے۔ فوجوں کے سپہ سالار بننے لگے۔ شادیاں کرنے لگے اور کسبِ معاش اور ترقی و عروج کے تمام دروازے ان پر کھل گئے۔ سختیوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ انہیں مثل اولاد سمجھا جانے لگا اور ان پر شفقت و محبت کی بارش ہونے لگی۔

غلامی کے دنیا میں مختلف طریقے تھے سب سے بڑا ذریعہ جنگ تھا۔ عام دستور یہ تھا کہ فتح کے بعد فاتح مفتوح کے سب زن و مرد کو غلام بنا لیتا تھا اور یہ بدبخت امرا میں تقسیم ہو جاتے تھے چونکہ یہ سلسلہ برابر بڑھتا چلا جاتا تھا۔ اس لیے انہیں سوداگروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا۔ نسباً شریف ہوں یا اعلیٰ انہیں غلام ہی بن کر رہنا پڑتا تھا۔ ان کے آقا ان سے غلاموں کی ہی طرح کام لیتے اور طائرِ روح کے ساتھ ہی انہیں آزادی نصیب ہوتی تھی۔ جب افلاطون جیسا حکیم اور فلاسفر قید ہو کر کھیت بونے اور ہل جوتنے پر مجبور ہو سکتا تھا۔ تو پھر ادنیٰ اور معمولی انسانوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ کبھی یہ بھی ہوتا تھا کہ ڈاکو قافلے کے آدمیوں کو پکڑ کرے جاتے تھے۔ اور انہیں فروخت کر ڈالتے تھے۔ غرضیکہ غلام بننے کے بعد پھر زندگی حرام ہو جاتی تھی

اور لطفِ حیات ہمیشہ کے لیے برباد ہو کر رہ جاتا تھا۔ دنیا کا کوئی مذہب او
ملک بھی غلامی کی اس لعنت سے خالی نہ تھا اور مخلوقِ خدا بڑی مصائب کے
بھنور میں ڈبکیاں لے رہی تھی۔ واقعی دنیا پر، مخلوق پر اور زمانے پر مسلمانوں کا
یہ ایک بڑا احسان ہے کہ فضائے بسیط میں پہلی آواز جو ان کی ہمدردی میں بلند
ہوئی وہ صرف اسلام کی آواز تھی۔ درحقیقت ہم اسلام کی تعلیم پر پورے یا ادھو
عبور کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتے۔ قرآن شریف میں غلاموں کے متعلق صاف الفاظ
یہ ہدایت موجود ہے۔

"جب تم لڑ چکو تو انہیں گرفتار کر لو۔ پھر یا تو انہیں احسان کر کے چھوڑ دو۔ یا
معاوضہ لے کر رہا کر دو۔ انہیں کسی قسم کی اذیت نہ دو۔" مسلمان اپنے قرآن اور اپنے
نبیؐ کے حکم پر والہانہ عمل کرتے تھے اور یہ اس حکم کا نتیجہ ہے کہ اسلام کی سب سے
پہلی جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوئے۔ ان کے ساتھ حیرت انگیز اور نہایت شریفانہ
برتاؤ کیا گیا۔ سر ولیم میور لکھتا ہے کہ "صحابہؓ خود پیدل چلے اور انہیں اونٹوں پر بٹھایا
اور خود بھوکے رہ کر بھی ان کی شکم سیری کی طرف سے ذرا بھی غفلت نہ کی۔"

قیدی غلاموں کی رہائی

ان قیدیوں کے ساتھ یہ رواداری برتی گئی کہ انہیں اپنا دشمنِ جانی سمجھتے
ہوئے بھی معاوضہ لے کر رہا کر دیا۔ جن کے پاس دینے کو کچھ نہ تھا۔ ان سے یہ شرط
کر لی گئی کہ ہر ایک چند مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دے اور آزاد ہو جائے۔ ایک
شخص کے پاس کچھ نہ تھا نہ زر اور نہ علم سکھانے کی صلاحیت۔ لہٰذا اس نے عرض

کیا کہ میں گھر پہنچ کر معاوضہ بھیج دوں گا اور حضرت محمدؐ صاحب نے اسے اس وعدہ پر ہی رہا کر دیا۔ ایک شخص عمرو بولا کہ میں غریب آدمی ہوں۔ بال بچہ دار ہوں۔ اگر میں قید رہا تو میرے بال بچوں کو بہت تکلیف ہو گی۔ یہ سن کر آپؐ کو رحم آگیا اور آپؐ نے اسے محض اس وعدہ پر چھوڑ دیا کہ وہ آئندہ مقابلہ پر نہیں آئے گا۔ رحم و کرم اور اسیرانِ جنگ پر نوازش کا یہ کتنا عدیم المثال مظاہرہ ہے۔ جس کی داد دینے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔ ان شرائط کے بعد بھی کچھ نہ کچھ رہ جاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ یہ دشمن اور محارب قوم سے ہوتے تھے۔ خون کے پیاسے بن کر آتے تھے اور انہیں رہا کرنا خطرہ سے خالی نہ ہوتا تھا، لیکن ان کے ساتھ برادرانہ سلوک کیا جاتا تھا آپؐ کو غلاموں کا اتنا خیال رہتا تھا کہ دنیا سے گزرتے وقت بھی آپؐ ان کو نہ بھولے اور ان سے حسنِ سلوک کی وصیت کی۔

غلاموں کو آزاد کرانے کے ڈھنگ

آپؐ نے غلاموں کو آزاد کرانے کا ایک اور مؤثر اور آسان طریقہ اختیار کیا یعنی بعض گناہوں کا کفارہ غلاموں کی آزادی قرار دیا۔ ان کے رہا کرنے کا بڑا ثواب واجر بتایا اور آخر میں تو قرآن کی یہ آیت بھی نافذ ہو چکی تھی کہ اسیرانِ جنگ کو احسان رکھ کر یا معاوضہ لے کر چھوڑ دیا کرو۔

قبیلہ بنی ہوازن کے اکٹھے چھ ہزار قیدی بلا معاوضہ ہی رہا کر دیے گئے۔ اس کے بعد کوئی ایسی مثال نہیں ملتی کہ آپؐ نے غلام بنائے ہوں۔ ایک صحابیؓ نے اپنی لونڈی کے منہ پر اس قصور پر تھپڑ مار دیا کہ اس کی غفلت سے بھیڑیا اس کی بکری

اٹھالے گیا تھا۔ صحابی کا یہ فعل مذہبی حکم کے منافی تھا۔ عورت نے سارا ماجرہ حضرت محمدؐ صاحب سے کہہ سنایا۔ آپؐ کو بہت رنج ہوا اور اس طمانچہ کو ہی اس کی آزادی کا زیور بنوا دیا۔ ایک رومی تھے کہ جو معمولی سی خطا پر کھال ادھیڑ کر رکھ دیتے تھے اور ایک اسلام کے پیرو تھے کہ ان کا نادانستہ تھپڑ مار دینا ہی گناہ قرار پاتا تھا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ مسلمان اپنے غلاموں کی پرورش حضرت محمدؐ صاحب کے احکام کی پابندی میں اولاد کی طرح کرنے لگے تھے۔ غلام گھر کے ایک رکن کی حیثیت سے رہتا تھا نتیجہ یہ ہے کہ غلاموں نے محمدؐ صاحب کی غلامی کو ماں باپ کی محبت سے بہتر سمجھا ـــــ آپ کا ایک غلام تھا۔ اس کا باپ مدت کے بعد پتہ لگا کر مدینہ پہنچا اور معاوضہ دے کر اسے رہا کرانا چاہا، لیکن آپ نے اسے فوراً رہا کر دیا۔ غلام رونے لگا کہ مجھے ماں باپ کی محبت سے آپ کی غلامی زیادہ عزیز ہے باپ واپس چلا گیا ـــــ ایک اور غلام انسؓ کہا کرتے تھے کہ دس برس حضور کی خدمت میں رہا، مگر اس تمام مدت میں گھر والوں کی طرح رہا۔ جو آپؐ نے کھایا مجھے کھلایا اور جیسا آپ نے پہنا مجھے بھی پہنایا اور کسی ایک دن بھی مجھے نہ جھڑکا ـــــ زید بھی آپؐ کے غلام تھے۔ حضرت محمدؐ نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن سے اس کی شادی کر دی۔ حالانکہ آپؐ کا خاندان عرب کا شریف ترین خاندان تھا اور زید محض غلام تھے ـــــ اسی طرح ایک اور غلام اسامہؓ کو بھی آپ نے پورے ایک لشکر کا سپہ سالار بنا کر بڑے بڑے شرفاء کو آپ کے ماتحت کر دیا، لیکن کوئی چوں تک نہ کر سکا۔

غلام آقا بنے

مسلمانوں میں بلالؓ بہت مشہور بزرگ گزرے ہیں۔ حضرت محمدؐ صاحب کے

وقت آپ اذان دینے کی خدمت پر مامور تھے۔ بہت بد شکل تھے۔ جب آپؐ نے انکی شادی کا عزم کیا، تو بڑے بڑے اعلیٰ متموّل اور شریف خاندان قریش انہیں اپنی لڑکیاں دینے کو تیار ہو گئے۔ جب ان کا انتقال ہوا، تو خلیفہ عمرؓ جیسے عظیم الشان فرمانروا نے رو کر یہ کہا کہ "آہ! آج ہمارا آقا دنیا سے چل بسا" یہ تھی اسلامیوں کی غلامی اور اسلام کی مساوات۔ کہ فرمانروا تک غلاموں کو بھرے جلسے میں آقا بتلانے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ واقعی عہدِ اسلام میں غلاموں کی حالت اس دور کے آزادوں سے بھی بہتر تھی اور ان کی ہر اعتبار سے عزت کی جاتی تھی۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب ان کو ملتے تھے، وہ ہر حیثیت سے مسلمانوں کے بھائی سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستان اور مصر پر دنیائے اسلام کے غلاموں نے حکومت کی اور اس شان سے کی کہ تاتاری جیسے وحشی اور بہادر قوم کے زہرے آب ہو گئے اور انہی کے ہاتھوں انہیں شکستیں ملیں۔ بڑے بڑے باجبروت فرمانروا اور بزرگ کامل انہیں میں سے پیدا ہوئے۔ گویا اسلام نے غلاموں کو فرشِ خاک سے اٹھا کر عزت کے آسمان پر بٹھا دیا اور فی الحقیقت وہ بادشاہ بن گئے۔

یورپ میں ۱۷۹۴ء میں فرانس نے اور ۱۸۳۳ء میں انگلستان نے غلاموں کی آزادی کے قانون پاس کیے۔ مگر اسلام صدیوں پیشتر اس سے کہیں بہتر خدمت بنی نوع انسان انجام دے چکا تھا۔

کیا بیسویں صدی کا یورپ اس فراخدلی اور رواداری کا کوئی ثبوت پیش کر سکتا ہے۔ یورپ کیا دنیا کا کوئی حصہ بھی پیش نہیں کر سکتا۔ یہ فخر اسلام اور صرف اسلام کو ہی حاصل ہے۔

اسلام اور داعئ اسلام کو خراجِ عقیدت

ایڈیٹر "لائف انٹرنیشنل" نیویارک

مترجم : پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر ایم۔ اے

لائف انٹرنیشنل (نیویارک) نے ۸ ، اگست ۱۹۵۵ء کے شمارہ میں "دنیائے اسلام" کے عنوان سے یہ مقالہ شائع کیا تھا جس کا ترجمہ پروفیسر نظام الدین ایس گوریکر صاحب ایم۔ اے صدر شعبۂ فارسی و اردو، سینٹ زیوئرس کالج بمبئی نے کیا ہے ہر چند کہ اس مضمون میں بہت سی باتیں محلِ بحث اور غور طلب ہیں، لیکن مجموعی طور پر یہ ایک بہترین خراجِ عقیدت ہے۔

عرب میں حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک مذہب توحید کی بنیاد ڈالی جس نے آگے چل کر پورے عالم انسانی کے ساتویں حصہ کو اپنا حلقہ بگوش بنالیا۔
اسلام جو دنیا کے عظیم اور عالمگیر مذاہب میں سے سب سے کم سن ہے کئی طرح سے سادہ ترین اور واضح ترین مذہب بھی ہے۔ اس مذہب کے ماننے والے صرف ایک خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ جو ہر چیز پر قادر ہے۔ مذہبِ اسلام کے داعی حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نہ تو مسیحا تھے اور نہ نجاتِ دہندہ، بلکہ ایک ایسے انسان تھے جنہیں خدا نے اپنا پیغام بندوں تک پہنچانے کے لیے ایک ذریعہ کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔ اسلامی عقیدہ جو منطقی موشگافیوں سے مبرا ہے اس دنیا میں انسان کے اخلاق سے اتنا ہی تعلق رکھتا ہے۔ جتنا کہ دوسری دنیا میں اس کے حشر اور جزا و سزا سے۔ دوسرے مذاہب کے برعکس جن کی پیدائش کی روایات مبہم اور داستانی ہیں اور جو طویل و شکست ارتقا کا نتیجہ ہیں۔ اسلام

تاریخ کی پوری روشنی میں وجود میں آیا اور طوفان کی رفتار سے پھیلا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی وفات (واقع ۶۳۲ء) کے چند ہی سال بعد اسلام تمام مشرقِ وسطیٰ پر چھا گیا اور تقریباً ایک صدی کے اندر اس کی حدودِ اقتدار جبل الطارق سے لے کر ہمالیہ تک پھیل گئیں۔ آج اس کے کم و بیش تیس کروڑ (دنیا کی آبادی کے بعض نقشے مسلمانوں کی تعداد پچاس کروڑ سے بھی زیادہ بتاتے ہیں۔ مترجم) مقلّدین ہیں۔ جو مجموعی طور پر دنیا کی آبادی کا ساتواں حصہ ہیں۔

اسلام کی شاندار ابتدائی فتوحات کے وجوہ، تاریخی حالات یعنی بحرِ روم کے اطراف و جوانب کے ممالک کی افراتفری، عربوں کے جوش و خروش اور جنگی قابلیت میں مضمر ہیں، لیکن اسلام کی دائمی طاقت اور پائیداری کی وجہ اس کی سادہ، واضح اور مثبت تعلیم ہے۔ جس نے اسلام کے اتحاد کو تیرہ سو سال سے برقرار رکھا ہے۔

اسلام صرف عبادات کے مجموعہ کا نام نہیں ہے، ایک ہمہ گیر طریقۂ زندگی ہے جو انسانی خیالات اور اعمال کی اس حد تک رہنمائی کرتا ہے۔ جس کا ہمسر مغرب میں بھی کوئی نہیں۔ اس کی عظمت کی کلید خود لفظ "اسلام" ہے۔ جس کے معنی ہیں "تابع ہونا" یعنی خود کو خدا کی رضا کا تابعدار اور فرمانبردار بنانا۔ لفظ "مسلم" اسی مخرج سے نکلا ہے۔ جس کے معنی ہیں "وہ جو تابعدار ہوتا ہے" لہٰذا ہر سچا مسلمان خود کو ہر وقت خدا کے سامنے حاضر سمجھتا ہے۔ اسلام کے ماننے والوں کے لیے مذہب اور زندگی، دین اور سیاست ناقابلِ تفریق ہیں۔

یہ اعتقاد کہ "خدا حاضر و ناظر و حاکم اور علیم و خبیر و منصف ہے" دنیا کے

مسلمانوں میں ایسا وقار اور خود اعتمادی پیدا کر دیتا ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے ان کے اسلام سے پھر جانے اور دکھ سے گھبرا جانے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔
اپنے وسیع ترین مفہوم میں "اسلام" خدا کے زیرِ سایہ انسانوں کی اخوت کا نام ہے۔ جو نسل و قوم کی بندشوں سے نکل کر خدا کے حکم کی تعمیل کے لیے متحد ہو کر ایک منظم جد وجہد میں مصروف ہیں۔ اسلام کا یہ یقین دلانا کہ محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے کلمات جو قرآنِ کریم میں محفوظ ہیں۔ خدائے تعالیٰ کا آخری اور مطلق کلام ہے۔ اسلام کی عظمت اور قوت کا دوسرا قلعہ ہے۔
ایک مسلمان کے نزدیک قرآنِ کریم پچھلے تمام آسمانی صحیفوں کو منسوخ کرتا ہے اور ان کے تمام حقائق کی تصدیق کرتا ہے۔ یہودیت اور عیسائیت میں جو "الٰہ واحد" ہے۔ بنیادی حیثیت سے وہی اسلام کا اللہ ہے، لیکن مسلمانوں کی نظر میں قدیم آسمانی صحائف میں خدا کے ارشادات کا اظہار نامکمل طریقہ پر ہوا ہے۔ اور صرف قرآنِ حکیم میں اسے مکمل کیا گیا ہے۔ اسی طرح اسلام حضرت ابراہیمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک انجیل کے تمام پیغمبروں کی تعظیم کرتا ہے اور محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کو آخری اور معزز ترین پیغمبر گردانتا ہے اور انہیں "خاتم النبیّن" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ جہاں اسلام نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ربوبیت سے انکار کیا۔ وہاں اس نے حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) پر الوہیت کے اطلاق کی کوششوں کو بھی بار آور نہ ہونے دیا۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) بار بار یہی کہتے تھے کہ "وہ کلامِ الٰہی کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے صرف ایک ذریعہ ہیں"
حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی ولادت کے وقت مکہ معظمہ شام اور

ہندوستان کے درمیان گرم مصالحوں کے قدیم تجارتی راستہ پر ایک خوشحال مرکز تھا۔ مکہ معظمہ کو ایک مذہبی مرکز کی حیثیت بھی حاصل تھی۔ جہاں بت پرست عرب شہر کے مختلف معبدوں میں بتوں کی پرستش کے لیے آتے تھے۔ ایک مستطیل عمارت "کعبہ" کی سب سے زیادہ تعظیم کی جاتی تھی۔ کعبہ میں مختلف بت نصب کیے گئے تھے۔ ایک گوشہ میں ایک حجرِ اسود رکھا ہوا تھا۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ جنت سے آیا ہوا پتھر ہے۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) مکہ معظمہ کے ایک مقتدر ترین قبیلہ قریش کے معزز خاندان میں پیدا ہوئے۔ زمانۂ شباب ہی میں آپ کو اس وقت کی مروّجہ مذہبی رسوم کو پرکھنے کے کافی مواقع ملے۔ کیونکہ قریش خانۂ کعبہ کے محافظ مانے جاتے تھے۔ ابتدا میں حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے بت پرستی سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور اس کی وجہ سے یہودیوں اور عیسائیوں کی توحید کی حرمت و تعظیم میں اضافہ ہونے لگا۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) حسّاس ہونے کے ساتھ سوچ بچار کی طرف بھی بہت مائل تھے۔ آپ لگاتار کئی کئی دنوں تک مکہ معظمہ کی اطراف کی پہاڑیوں میں مقیم رہتے۔ ایک شب فرشتۂ مقرب حضرت جبرئیل علیہ السلام ان کے سامنے نمودار ہوئے اور کہا "اقرأ" (پڑھو) اس ابتدائی وحی میں حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے سامنے قرآن کریم کی اوّلین آیات کو ادا کیا گیا۔ اوّلاً تو آپ پر گھبراہٹ اور دہشت طاری ہوئی، لیکن جب وحی کا سلسلہ شروع ہو گیا، تو انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں جو سچا اور واحد خدا ہے۔ کم و بیش ۲۳ سال تک آپ پر وحی اترتی رہی۔

حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی بتوں کی مذمّت کی وجہ سے مکہ معظمہ کے تاجر جنہیں بت پرست زائرین سے کافی آمدنی ہوتی تھی۔ ان کے مخالف ہوگئے اور انہیں قتل کی دھمکی دی۔ آخر کار حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے مکہ معظمہ سے ہجرت کی۔ اور مکہ معظمہ کے شمال میں ۲۲۰ میل دور ایک مقام یثرب میں جہاں کے باشندوں سے ان کے دوستانہ تعلقات ہوگئے تھے۔ آکر مقیم ہوگئے۔ جس سال حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے ہجرت کی۔ وہی سال سن ہجری کا پہلا سال ہے۔

یثرب میں جس کا نام بعد میں "مدینۃ النبی" رکھا گیا۔ حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے بہت جلد ایک کامیاب روحانی پیشوا اور حاکم کی حیثیت حاصل کر لی۔ ان کے پیروؤں اور مکہ معظمہ میں بسنے والوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے مقابلوں کا سلسلہ آخر کار دونوں شہروں کے مابین ایک جنگ پر منتج ہوا۔ یہ جنگ اس وقت ختم ہوئی۔ جب حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) فاتحانہ مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور کعبہ میں نصب شدہ تمام بتوں کو مسمار کر دیا۔

اس کے بعد حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے عرب میں پیغمبر اور حکمران کی حیثیت سے اپنے وقار کو اس قدر مستحکم کیا کہ ان کی وفات دین کی ترقی اور اشاعت میں مانع نہ ہو سکی۔ جو اب بے خبر بیرونی دنیا پر آندھی کی طرح چھا جانے کے لیے بالکل تیار ہو چکا تھا۔

یہ امر نامعلوم ہے کہ قرآنِ کریم کی مکمل ترتیب حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی زندگی ہی میں ہوئی تھی یا نہیں ؟ لیکن یہ یقینی بات ہے کہ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی وفات کے فوراً بعد ان کے ایک کاتب نے قرآنِ کریم کو ایک

مستند کتاب کی صورت میں مرتب کیا۔ جسے ان کے صحابیوں کی مجلس نے مستند دینی صحیفہ تسلیم کیا اور اس کے بعد سے اب تک وہ محفوظ ہے۔ اس کی تعلیمات اور کلام کو ہر مسلمان کلامِ الٰہی کی حیثیت سے تسلیم کرتا ہے اور اسی کی بنیاد پر شریعت اسلام یا اسلام کا قانون بنایا گیا ہے۔ اس کے ابتدائی عقائد وہ ہیں۔ یعنی توحید خالص اور آخرت۔ گو عرب معبودِ اعلیٰ کے وجود کے پہلے سے قائل تھے، لیکن حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے اللہ کو واحد اور یکتا خدا کی حیثیت سے پیش کیا۔

آخرت کا عقیدہ خدا کی یکتائی کے اصول کے ذیل میں آتا ہے۔ جو خالق اور منصف ہے۔ جنت کی راحتوں اور دوزخ کی تکلیفوں کے بارے میں قرآنِ کریم کا بیان انجیل سے کہیں زیادہ واضح اور جاندار ہے۔ جنت میں باغات، فوارے، شراب کی نہریں اور حسین دوشیزائیں یعنی حوریں ہیں جن کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں صدف میں چھپے ہوئے موتیوں کی مانند ہیں۔ دوزخ میں آگ کے گڑھے، تیز و تند ہوائیں اور کھولتا ہوا پانی ہے۔

گو حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے منظم مذہبی پیشوائی کا کوئی ادارہ قائم نہیں کیا، لیکن انہوں نے متعدد مذہبی احکام و فرائض کا حکم دیا جنہیں اسلام کے پانچ ستون بھی کہا جاتا ہے اور وہ یہ ہیں۔

(۱) وحدتِ الٰہی کو تسلیم کرنا اور اس پر ایمان لانا جیسا کہ کلمۂ اول۔
(لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ) میں ظاہر کیا گیا ہے۔

(۲) روزانہ پانچ مرتبہ اور جمعہ کو مسجد میں نماز ادا کرنا۔ نماز کی ادائیگی کے وقت مونہہ

کعبہ کی طرف ہونا چاہیے۔ خواہ کوئی شخص دنیا کے کسی حصہ میں کیوں نہ ہو۔
(۳) تقویٰ کی بنیاد پر راہِ خدا میں زکواۃ دینا۔
(۴) ماہِ رمضان میں روزے رکھنا۔
(۵) خانہ کعبہ کی زیارت یعنی حج کرنا۔

ان پانچ اہم عبادات کے علاوہ قرآنِ کریم ایک عظیم الشان اخلاقی و شرعی دستور العمل بھی پیش کرتا ہے۔ قرآنِ کریم مسلمانوں کو لحمِ خنزیر کھانے، جوا کھیلنے اور سود کا کاروبار کرنے سے منع کرتا ہے۔ اس میں نکاح و طلاق کے بنیادی قوانین اور مختلف جرائم کے لیے سزائیں بھی تجویز کی گئی ہیں۔ قرآنِ کریم کے نزدیک جو امور معیوب ترین ہیں۔ ان میں ایک مجسمہ سازی بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایّام سلف میں کہیں بھی حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کے مجسّمے اور تصویریں نہیں پائی جاتیں۔

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کی وفات کے ایک سال بعد اسلامی فوجیں جزیرہ نما عرب سے باہر نکل آیئں اور دنیا کی ان قوموں اور ملکوں کو متحیّر کر دیا جو عربوں کے وجود سے متعلق بہت کم یا کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ پہلے تین خلفاء یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی مدبّرانہ قیادت میں بیس سال سے بھی کم عرصہ میں مشرقِ قریب کی دو عظیم الشان سلطنتیں مسلمانوں کے قبضہ میں آگئیں ۶۳۵ء میں شام، ۶۳۷ء میں عراق، ۶۴۰ء میں فلسطین ۶۴۲ء میں مصر اور ۶۵۰ء میں تمام ایران فتح کیا گیا تھا۔ شروع شروع میں اسلام کی فاتح فوجیں اس تیزی سے پیش قدمی کر رہی تھیں کہ انہیں نہ تو صلاح مشورہ کا وقت مل سکا اور نہ ان مفتوحہ ممالک میں نظم قائم کرنے کا، یہ واقعات کے خلاف ہے۔ مسلمانوں کی نظمِ جہانبانی

تاریخ کی جانی پہچانی حقیقت ہے۔مترجم) انہوں نے خراج لینے پر ہی اکتفا کیا اور
جو لوگ خراج ادا کرتے تھے۔ ان سے روا داری برتی جاتی تھی۔ بایں ہمہ کثیر تعداد
میں مفتوحین کے گروہ صحرا سے آئے ہوئے نئے متحرک دین کی آغوش میں آنے
لگے۔ فتوحات پر فتوحات حاصل ہوتی گئیں۔ اور فتح کا سرشار کن جذبہ عربوں
کو مشرق میں ہندوستان تک، مغرب میں بحر الکاہل تک اور آبنائے جبل الطارق
کے اس پار اسپین، پرتگال اور فرانس تک لے گیا۔ آخرکار ۷۳۲ء میں ان کو فرنگیوں
نے طورس کے مقام پر روک لیا۔ لیکن اب بھی ان کا جوش اور ولولہ ختم نہیں ہوا تھا۔
نویں، دسویں اور گیارھویں صدی اسلام کے لیے سنہری زمانہ تھا۔ رومی و یونانی
تہذیب کے اثر سے بیدار ہو کر اور بازنطینی، ایرانی میراث سے فیض یاب ہو کر
اسلام نے اپنی ایک روشن اور عظیم تہذیب کی تخلیق کی۔ بغداد اور عرب کے دیگر
مشہور شہروں میں فن، فلسفہ اور شاعری کو کافی عروج حاصل ہوا۔ ریاضی اور طب نے
ترقی کی۔ مسلمان صناعوں اور کاریگروں نے مسجد قرطبہ جیسے شاہکار پیش کیے۔ اسلامی
پیغام کی ترویج و اشاعت مسلم تاجر اور صوفیاء کے ذریعے ایشیا میں ہوتی رہی۔

اسلام کی ان ابتدائی شاندار فتوحات کے باوجود مسلمانوں میں باہمی اختلافات
موجود تھے۔ سب سے پہلا اختلاف حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جانشینی
کے سوال پر پیدا ہوا اور ان ابتدائی اختلافات کی وجہ سے ایسا نفاق پیدا ہوا۔ جو
آج تک موجود ہے۔ مختلف ادوار میں عقائد کے اختلاف نے مختلف گروہ اور جماعتیں
پیدا کیں۔ لیکن باہر سے اسلام ہر طرح صحیح و سالم رہا ہے اور آج بھی اسلام کی ایک
پتھر پر تراشی ہوئی عمارت تین براعظموں کے سینہ پر اسی طرح سربفلک ایستادہ ہے۔

جیسی مختلف ادوار میں رہی تھی۔ گو اسلام کی شاندار سلطنت کے حصے بخرے ہو چکے ہیں اور جدید قوم پرستی اور معاشی بدحالی نے اس کو کمزور کر دیا ہے، لیکن پھر بھی مذہب اسلام "ایمان" کی قوت کے ذریعے آج بھی متحد ہے۔ مراکش سے بحرِ احمر تک مسلمان ایک ہی قسم کا ایمان رکھتے ہیں۔ ایک ہی طرح کی عبادت کرتے ہیں اور اپنا رخ عبادت کرتے وقت ایک ہی مقدّس شہر کی جانب کرتے ہیں۔ یہی وہ باتیں ہیں۔ جنہوں نے اسلام کو آج بھی لاکھوں انسانوں کے لیے زمین پر خدا کی رحمت بنا دکھا ہے۔

اسلام کے احکام میں اس حکم نے کہ۔ "ہر صاحب مقدرت سچے مسلمان کو اپنی زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور حج کرنا چاہیے" اسلام کے لیے ایک اتحاد انگیز قوت کا کام کیا ہے۔ دنیا کے ہر حصہ سے زائرین مکہ معظمہ کے مقدّس شہر کی جانب ایک خاندان کے افراد کی حیثیت سے سفید، بے سلے کپڑے یعنی احرام باندھے ہوئے پہنچتے ہیں۔ ان کے اس اخوت کے جذبہ کے تحت نسلی و طبقات کی تمام حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ صرف مکہ معظمہ کو جانا ہی کافی نہیں ہے، بلکہ خاص ارکان مذہبی کو انجام دینا بھی ضروری ہے۔ ان سب میں پہلا فریضہ طوافِ کعبہ ہے۔ جو سات مرتبہ کرنا پڑتا ہے۔ اس سے کم اہم فریضہ مکہ معظمہ کے قریب دو چھوٹی پہاڑیوں کے درمیان سات مرتبہ دوڑنا ہے۔ یہ فریضہ حضرت ہاجرہؓ کی اپنے بیٹے حضرت اسماعیلؑ کے لیے پانی کی بے تابانہ تلاش کی یادگار ہے۔ تیسرا اہم فریضہ میدانِ عرفات میں ادا ہوتا ہے۔ جہاں زائرین کو "جبل الرحمت" کے قریب دوپہر سے غروبِ آفتاب تک خدا کے سامنے حاضر ہونا پڑتا ہے۔ یہ سب سے اہم فرض ہے اور جو اسے

ترک کر دیتا ہے۔ اس کا حج نہیں ہوتا۔

جب اسلام اطرافِ عالم میں پھیل گیا۔ تو مفتوح یا نومسلم اقوام کے رسم و رواج اسلام کے سماجی نظام میں راہ بنانے لگے۔ جن کی بنیاد قرآنِ کریم کے عائد کردہ اعمال و افعال تھے۔ اسلامی دنیا میں عورتوں کے متعلق جو خیالات اور رجحانات پائے جاتے ہیں۔ وہ اس امر کی ایک مثال ہے۔ کئی ممالک میں صدیوں سے انہیں گوشۂ تنہائی میں رکھا جاتا تھا اور مکانوں سے باہر انہیں بھاری بھرکم برقعوں کا کفن پہنا دیا جاتا تھا۔ تاہم ملایا میں قدیم روایات کے مطابق عورتوں کی آزادی کا تحفظ دوسرے ممالک سے زیادہ کیا گیا۔ دوسرے مقامات پر عورتوں پر جو کڑی پابندیاں عائد کی گئی تھیں۔ وہ قرآنِ کریم سے ماخوذ نہیں ہیں۔ بلکہ انہیں بعد کی تاویلوں کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔

اقتباسات

ہیں مدح سرا جس کے اپنے بھی پرائے بھی

حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نسبت جو عقیدہ عام طور پر ہم لوگوں میں پایا جاتا تھا کہ "وہ کاذب تھے اور ان کا مذہب یکسر حماقت تھا" اب مٹتا جاتا ہے اور یہ الزامات ہماری زود سیاہی کا باعث ہیں۔ جب پوکاک نے مسٹر گردیٹس سے دریافت کیا "اس واقعہ کی کیا سند ہے جو تم نے بیان کیا ہے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک کبوتر پال رکھا تھا جو اُن کے کان سے مسٹر نکالا کرتا تھا اور جس کے باعث یہ مشہور کر دیا گیا تھا کہ وہ وحی لایا کرتا ہے" تو مسٹر گردیٹس نے جواب دیا "میرے پاس اس واقعہ کی صحت کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔" حقیقتاً اب وقت آگیا ہے کہ ان فضول قصوں کو ترک کر دیا جائے۔ اس عظیم انسان نے جو نصیحتیں کی ہیں۔ دنیا میں اربوں انسانوں کے لیے باعثِ ہدایت بنی ہیں۔ پھر کیا ہم خیال کر سکتے ہیں کہ جس مذہب کے تسلیم کرنے والے اتنی تعداد میں ہوں اور جس مذہب پر فدا ہونے کے لیے اتنی بڑی جماعت موجود ہو۔ وہ ایک شعبدہ ہو سکتا ہے۔ میں تو ایسا خیال تک نہیں کر سکتا۔ اگر فریب کو دنیا میں اس قدر ترقی ہو جائے تو پھر اس دنیا کی نسبت کیا خیال قائم کیا جائے گا۔ میرے نزدیک اس سے زیادہ کوئی معاندانہ خیال نہیں ہو سکتا کہ کسی بانیٔ مذہب کے متعلق ایسا اعتقاد قائم کیا جائے۔ ایک جھوٹا شخص کبھی مذہب قائم نہیں کر سکتا جس طرح اگر کوئی معمار چونے، اینٹ اور مصالحہ کے استعمال سے ناواقف ہو اور صحت کے ساتھ اس کا استعمال نہ جانتا ہو تو وہ کبھی مکان نہیں بنا سکتا اور اگر بنائے گا تو وہاں بہت جلد مٹی کا ڈھیر نظر آنے لگے گا۔ اس طرح ایک بانیٔ مذہب جب تک قانونِ قدرت اور اس کے اصول سے واقف نہ ہو، کبھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جنہوں نے نبوت و رسالت کے لغو دعوے کیے ہیں لیکن تاریخ شاہد ہے کہ زمانہ نے ان کے فریب کو جلد ظاہر کر دیا اور آج تک کسی کو بھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ (کارلائیل)

محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بغیر کسی شک کے تمام پیغمبروں میں سب سے باکمال پیغمبرؐ تھے۔ میں خود آپؐ کی صداقت کا معترف ہوں۔ لوگوں نے مذہبی جوش میں اگر آپؐ کے متعلق جو غلط بیانیاں کی ہیں۔ وہ ہم سب کے لئے نہایت شرمناک ہیں۔

آج خدا کی مخلوق کی ایک کثیر تعداد محمدؐ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے فرمودات پر ایمان رکھتی ہے۔ وہ دنیا میں کسی اور چیز کو اس طرح ماننے کے لئے تیار نہیں ہے جس طرح اسلام کے احکام کو۔ کیا ہم یہ یقین کر سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ ایک قسم کا مذہبی فریب ہے۔ جسے خدا کے کروڑوں بندوں نے جن میں سے کتنے مر گئے اور کتنے زندہ ہیں اسے قبول کر لیا ہے؟ میں تو کم سے کم اس قسم کا خیال بھی ذہن میں نہیں لا سکتا۔ اور کچھ اگر کہا جائے تو شاید مجھے یقین آ جائے، لیکن اس بات کو میں کسی طرح بھی مان نہیں سکتا۔ اگر دنیا میں فریب اس قدر ترقی کر سکے تو کون بتا سکتا ہے کہ اس وقت دنیا کا کیا حال ہو جائے گا۔

اس لئے ہم آپؐ کے متعلق یہ ہرگز نہیں کہہ سکتے کہ (نعوذ باللہ) آپ دھوکہ باز اور بازیگر تھے۔

(مسٹر کارلائل)

●

آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے وحی الٰہی سے مالا مال ہونے کے بعد لوگوں کو سیدھا راستہ بتلانے کے لئے اپنا پیغام پہنچانا شروع کیا۔ آپؐ کی تعلیم پر تعجب کیا گیا اور اس سے نفرت و حقارت بھی کی گئی جیسا کہ کسی نئی تحریک کے ساتھ عام طور پر کیا جاتا ہے۔ روشن دماغ والوں اور دور رس نگاہ والوں نے آپؐ کی بات سُنی اور جو کچھ آپ نے پیش فرمایا۔ اس کو قبول کیا۔ مگر اس کے برعکس جامد دماغ والوں نے آپؐ کی توہین کی اور خیال کیا کہ آپؐ کی باتیں ان کے عقائد کو ملیامیٹ کرنے والی ہیں۔

● حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طبیعت کبھی بھی تعیش کی طرف مائل نہ تھی۔ یہ ایک بڑی اور عظیم غلطی ہوگی۔ اگر آپؐ کے متعلق یہ تصور کیا جائے کہ آپؐ نفس پرست تھے۔ آپ کسی قسم کے بھی آرام و عیش کو پسند نہ فرماتے تھے۔ آپ کا گھریلو اسباب بہت ہی معمولی تھا۔ آپؐ کی غذا جَو کی روٹی تھی۔ بسا اوقات کئی کئی ماہ کاشانۂ نبوی میں آگ روشن نہ ہوتی تھی۔ تاریخ اسلام میں یہ ایک بڑے فخر کی بات ہے کہ آپؐ اپنے پاپوش کی خود مرمت فرما لیا کرتے تھے۔ اپنے کپڑوں میں آپ خود پیوند لگا لیتے تھے (آپؐ نے زندگی محنت پسندی اور عسرت میں بسر فرمائی۔ لیکن دنیا میں کسی تاجپوش شہنشاہ کے احکام کی کبھی ایسی اطاعت نہیں کی گئی۔ جیسی پیوند پوش حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلمؐ) کی گئی ہے۔ (تھامس کارلائل)

●

موسیٰ نے وجودِ خدا کا اعلان بنی اسرائیل کے سامنے کیا تھا۔ مسیح نے رومی دنیا کے سامنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے قدیم ترین براعظم یعنی ایشیا کے سامنے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دنیا کو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کے خدا کی پرستش کی طرف بلایا۔ جسے آریا دل اور چند دیگر مذہبی اقوام نے بت پرست بنا دیا تھا (وہ وقت دور نہیں جب میں دنیا کے تمام تعلیم یافتہ، دانا اور مہذب انسانوں کو قرآن کی صداقتوں پر دوبارہ جمع کروں گا۔ قرآن وہ واحد کتاب ہے۔ جس کی تعلیمات میں صداقت ہے اور جو دنیا کو مسرت سے ہم کنار کر سکتی ہے)۔

نپولین بونا پارٹ (بشکریہ جناب غلام جیلانی برق)

●

پیروانِ اسلام نے صرف ایک صدی میں ایران، عراق، شام، فلسطین، مصر، مراکش سپین اور سندھ فتح کر لیا تھا (اگر نصب العین کی بلندی اور تاریخ کی درخشندگی، کمالِ قیادت کا معیار بن سکتی ہے تو پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کسی اور رہنما کو قطعاً پیش نہیں کیا جا سکتا۔ آپؐ ایک عظیم مفکر، بلند پایہ خطیب اور بے نظیر مقنن تھے۔ آپ نے شہروں اور قلعوں کے ساتھ ساتھ کروڑوں دلوں کو بھی فتح کیا اور تقریباً بیس ممالک میں آسمانی بادشاہت قائم کی۔ لاؤ ان تمام معیاروں اور پیمانوں کو جن سے انسانی عظمت کو ناپا جا سکتا ہے اور پھر اس سوال کا جواب دو کہ کیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑا کوئی انسان ہو سکتا ہے۔

کیمرٹین

(ملخص روزنامہ جنگ ۲۴ ستمبر ۶۸ء)

میں رسولِ اکرم حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دین کو ہمیشہ ہی عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ یہ الزام قطعی بے بنیاد ہے کہ آپ عیسائیوں کے دشمن تھے۔ میں نے اس حیرت انگیز شخصیت کی سوانح مبارک کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میری رائے میں آپ پورے بنی نوع انسان کے محافظ تھے۔

(جارج برنارڈ شاہ)

آنے والے سو سال میں ہماری دنیا کا مذہب اسلام ہوگا۔ مگر یہ موجودہ زمانے کا اسلام نہ ہوگا۔ بلکہ وہ اسلام ہوگا۔ جو محمد رسول اللہ کے زمانے میں دلوں، دماغوں اور روحوں میں جاگزیں تھا۔

(جارج برنارڈ شاہ)

اسلام کے خلاف جو کچھ بیان کیا گیا ہے یا جو الزام اس پر لگائے گئے ہیں۔ انہیں یورپ نے بہت شوق سے سنا ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد نے جو تصویر دینِ اسلام کی پیش کی ہے وہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اس لیے اس زمانے میں اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کیا جانے لگا ہے۔ ابی مسر سنی بہت سے یہودیوں اور عیسائیوں کے قبولِ اسلام کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں بتلا سکا کہ فی الحقیقت اسلام میں وہ صداقت موجود ہے جو عیسائیت سے سبقت لے گئی ہے اور جو بالکل فطرت کے مطابق ہے۔ فی الحقیقت مسلمان اپنے اخلاق و صفات سے لبسا اوقات ہم کو شرمندہ کر دیتے ہیں اور اسلام کے متعلق صحیح حالات معلوم کرنے کے بعد ہمارا تکبر و فخر خاک میں مل جاتا ہے۔

اسفاڈک برگر دیخ

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک عرصہ تک یکہ و تنہا ناقابلِ تسخیر دشمنوں کے سامنے بلند خیال ہو کر صداقت و راستی کی تلقین کرتے رہے۔ تمام خطرات کا مقابلہ انہوں نے نہایت عزم و استقلال کے ساتھ کیا اور اپنے دشمنوں سے کہہ دیا "جو کچھ ان کے امکان میں ہو کر گذریں" محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زندگی کا یہ شاندار واقعہ ایسا عجیب و غریب منظر پیش کرتا ہے کہ ہم اُن کے ساتھ عقیدت رکھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ صرف بیس سال کے زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہر قسم کی ترقی کی تخم ریزی کر دی اور یہی زمانہ مابعد میں عربوں کی سیاسی ترقی کی بنیاد ثابت ہوئی۔ دنیا میں جتنے بھی انسان پیدا ہوئے ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی نے اپنی قوم کی قسمت کو سدھارا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ ریاکار تھے اور نہ ہی جھوٹے بلکہ وہ بہت بے ریا، نہایت سچے اور پرجوش مصلح تھے اور ان پر بھی ویسی ہی سچی وحی آتی تھی جیسی عہدِ عتیق کے پیغمبروں کے پاس آتی رہی ہے۔

(نکولس)

باسورتھ اسمتھ اپنی کتاب "محمدؐ اینڈ محمڈن ازم" میں لکھتے ہیں "تمام مذاہب کے ابتدائی مرحلوں کے طے کرنے والوں کے متعلق ہمارا علم بہت محدود ہے ۔ صرف ان کے رفقائے متعلق ہمیں کچھ معلومات بہم پہنچی ہیں ۔ زردشت اور کنفیوشس کے بارہ میں ہم سولن اور سقراط سے بھی کم واقفیت رکھتے ہیں ۔ حضرت موسیٰؑ اور بدھ کی نسبت ہمیں امبروز اور آگسٹائن سے بھی کم معلومات ہیں ۔ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی کے متعلق ہمیں بہت ہی کم واقفیت ہے ۔ ہمیں ان کی خانگی زندگی، آغاز وحی اور مراحل رسالت کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے ۔ لیکن اسلام میں ایسا نہیں ہے ۔ یہاں بجائے تاریکی اور بعید از فہم واقعات کے مکمل تاریخ موجود ہے ۔"

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے واقعات پر نظر کرتے ہوئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیر محدود عزت کو دیکھتے ہوئے اور عیسائی پادریوں سے مقابلہ کرتے ہوئے میرے خیال میں حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے متعلق تعجب خیز امر یہ ہے کہ انہوں نے قوت معجزہ سے کچھ نہیں کیا جو وہ کر سکتے تھے ۔ وہی کہتے تھے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری وقت تک وہی خطاب رکھا جو شروع سے انہوں نے اختیار کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ فلسفہ اور عیسویت ایک دن اتفاق کامل کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوں گے ۔

وُہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم) جس طرح ایک مذہب کے پیشوا تھے۔ اسی طرح ایک حکومت کے سب سے بڑے مدبّر بھی تھے۔ وہ قیصر اور پوپ کا مجموعہ تھے۔ اُن کے پاس باڈی گارڈ نہ تھے۔ کوئی قلعہ یا محل نہ تھا۔ تاہم ان کے ہاتھ میں ساری قوّت تھی۔ خدا کی قدرت نے انہیں تین چیزوں کا بانی بنایا تھا (۱) واحد قومیّت (۲) واحد حکومت (۳) واحد مذہب۔

آخری وقت تک وہ ایک ہی چیز —— توحیدِ الٰہی کی دعوت دیتے رہے اور یہی وہ سب سے اعلےٰ فلسفہ تھا جس کے سامنے مجھے یقین ہے کہ ایک نہ ایک دن مسیحی عیسائیت کو بھی سر جھکانا پڑے گا اور انہیں خدا کا سچا پیغمبر تسلیم کرنا پڑے گا۔

اَندر داس الداب

●

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) کا خلوص اور ان کا عزم و جزم ایک واقعہ ہے۔ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ آنحضرت بے حد اچھے انسان تھے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں ہے کہ اُنؐ میں اور دوسرے نیک آدمیوں میں ایک نمایاں فرق تھا۔

(باسورتھ اسمتھ)

بلاشک حضرت محمدؐ خدا کے رسولؐ ہیں۔ اگر پوچھا جائے کہ افریقہ (بلکہ کل دنیا) کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے؟ تو جواب میں اسلام ہی کہنا پڑے گا۔ اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو قریش ہجرت سے پہلے خدانخواستہ شہید کر ڈالتے تو مشرق و مغرب دونوں ناقص و ناکارہ رہ جاتے۔ اگر آپؐ نہ آتے۔ تو دنیا کا ظلم بڑھتے بڑھتے اس کو تباہ کر دیتا۔ اگر آپؐ نہ ہوتے تو یورپ کے تاریک زمانے دو چند بلکہ سہ چند تاریک تر ہو جاتے۔ اگر آپؐ نہ ہوتے تو انسان ریگستانوں میں پڑے بھٹکتے پھرتے جب میں آپؐ کی جملہ صفات اور تمام کارناموں پر بہ حیثیت مجموعی نظر ڈالتا ہوں کہ آپؐ کیا تھے اور کیا ہو گئے۔ اور آپؐ کے تابعدار غلاموں نے جن میں آپؐ نے زندگی کی روح پھونک دی تھی۔ کیا کیا کارنامے دکھائے۔ تو آپؐ مجھے سب سے بزرگ ترسب سے برتر اور اپنی نظیر آپؐ ہی دکھائی دیتے ہیں۔

(پروفیسر باسورتھ اسمتھ)

●

ہمیں بغیر کسی پس و پیش کے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی تعلیمات نے توہمات کا ہمیشہ کے لئے قلع قمع کر دیا ہے۔ جو زمانۂ دراز سے جزیرہ نمائے عرب پر محیط تھا اسلام میں تمام اجتماعی خصوصیات موجود ہیں۔ برادرانہ محبت اس مذہب کا خاص جزو ہے۔ یتیموں کے حقوق کی بھی حفاظت کی گئی ہے غلام کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ منشیات سے منع کیا گیا ہے جس کے لئے صرف یہی مذہب فخر کر سکتا ہے۔

●

یہ امر حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) کی صداقت کا بڑے زور سے مؤید ہے کہ جن لوگوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ وہ راست باز لوگ تھے۔ وہ آپؐ کے محرم راز دوست اور آپؐ کے خاندان کے لوگ تھے جو آپؐ کی پرائیویٹ زندگی سے کامل آگاہی رکھتے تھے اور اس اختلاف سے بے خبر نہ تھے۔ جو ایک مفتری کی اندرونی و بیرونی زندگی میں لازمی طور سے ہوتا ہے۔ میں یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آپؐ کے مذہبِ اسلام میں پرہیزگاری، خدا ترسی ایسی کامل درجہ پر ہے۔ جو دوسرے مذاہب میں ہرگز نہیں پائی جاتی اور میں یہ بھی مانتا ہوں کہ اخلاقِ انسانی کی ترقی کا باعث صرف اسلام ہی ہوا ہے۔

(سر ولیم مور)

محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نرم دلی نہ تو صرف قبیلہ قریش تک محدود تھی اور نہ مکہ کی چار دیواری تک۔ مقدس رسومات کے موقع پر آپؐ اکثر خانہ کعبہ میں جایا کرتے تھے۔ جہاں ہر قبیلہ کے لوگوں سے آپؐ ملاقات کرتے تھے اور ان سے انفرادی طور پر بھی گفتگو فرماتے تھے اور انہیں ایک خدا کی پرستش کی تلقین کرتے تھے۔ آپؐ ہر شخص کو اس کے ضمیر کی آزادی دیتے تھے۔ کسی سے درشتی یا زیادتی کا برتاؤ نہ کرتے تھے۔ البتہ قوم عاد و ثمود کے واقعات سے انہیں عبرت کا سبق دیتے تھے۔

مذہبی اور رسمی مواقع پر آپؐ اپنے احباب (صحابہؓ اکرام) کو نہایت فیاضی اور کشادہ دلی سے ضیافتیں دیا کرتے تھے۔ اور گھر میں بہتر سے بہتر جو کچھ کھانے کو ہوتا تھا اسے پیش کرنے میں کبھی دریغ نہ فرماتے تھے۔ لیکن اس کے مقابلے میں آپؐ کی خانگی زندگی کے کتنے ہفتے ایسے گزرے ہوں گے کہ چولہے میں آگ جلنے کی نوبت نہیں آئی۔

(مسٹر گبن)

● میں نے اپنی تحقیقات میں کوئی ثبوت ایسا نہیں پایا جس سے حضرت محمد صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دعویٰ رسالت میں شبہ ہو سکے۔ یا آپؐ کی مقدس ذات پر (نعوذ باللہ) مکر و فریب کا الزام لگایا جا سکے۔

●

قرآن زبانِ عربی کا معیار ہے اور کسی انسانی قلم میں قدرت نہیں ہے کہ اس کا جواب لکھ سکے۔ اسی طرح آپؐ کی نصائح اور تشریحات ہیں جن کو "احادیث" کہتے ہیں احادیث کی زبان اگر شاعری نہیں ہے۔ تو شاعری سے بہتر ہے۔ یہ نہ تاریخ ہے، نہ سوانح عمری ہے۔ یہ مجموعہ اشعار بھی نہیں ہے۔ یہ افلاطون کی اعلیٰ خیالی بھی نہیں ہے یہ اس قدر پُر مغز اور بامعنی مضمون ہے کہ ہر زمانہ کے مطابق ہے۔ محلوں اور ریگستانوں شہروں اور سلطنتوں میں احادیث کا کلام یکساں طور پر گونجتا ہے۔ یہ دلوں میں نور پیدا کرتا ہے۔

●

پیدائش کے زمانہ سے ہی آپؐ متین، غور و فکر میں مبتلا اور سنجیدہ و سمجھدار تھے آپؐ جب ذرا بڑے ہوئے تو جنگلوں اور پہاڑوں میں غور و فکر کرنے کے لئے تشریف لے جانے لگے۔ حتیٰ کہ آپؐ کو "آخری نبیؐ" کی حیثیت سے اصلاح کا فریضہ تفویض ہوا۔ شروع ہی سے آپؐ اس قدر نیک اور معصوم تھے کہ آپؐ کو قوم نے "امین" کا خطاب دیا تھا آپؐ اپنے کار منصبی کے تفویض ہونے سے قبل دوسروں کا تجارتی مال دوسرے ملکوں کو لے جایا کرتے تھے۔ نوبت بایں جا رسید کہ متمول بیوہ حضرت خدیجہؓ (ام المومنین) نے آپؐ کی اعلیٰ صفات کو دیکھ کر آپؐ سے شادی کر لی۔ (جارج سیل)

●

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے خیالات و زندگی پر نظر ڈالنے کے بعد کوئی انصاف پسند شخص ان کی اولوالعزمی، اخلاقی جرأت، خلوص نیت، سادگی اور رحم و کرم کا اقرار کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ پھر ان ہی صفات کے ساتھ استقلال و عزم اور حق پسندی و معاملہ فہمی کی قابلیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا اور یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ نے اپنی سادگی، لطف و کرم اور اخلاق کو بلا خیال و مرتبہ قائم رکھا ہے۔

(لیفٹیننٹ کرنل سائکس)

●

کیا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبرؐ تھے؟ لاریب! اُن میں نبوت کی دو بڑی نشانیاں موجود تھیں۔ انہوں نے خدا کو پالیا تھا جو عام انسانوں کو نہیں ملتا اور ان میں اس سچائی کے پھیلانے کی بھی ایک غیر معمولی اندرونی قوت موجود تھی۔ (ڈاکٹر ڈاڈسن)

●

حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا مذہب مطلق العنان روس کے لئے بھی اتنا ہی موزوں ہے۔ جتنا جمہوریت پسند امریکہ کے لئے وہ مناسب و مفید ہے اسلام ایک عالمگیر حکومت کی طرف نشان دہی کرتا ہے۔ (جوزف جے نوتن)

جسمانی طہارت اور اخلاقی صفائی کو مدِنظر رکھتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہر حیثیت سے مجسمۂ خوشبو ہیں۔ (لیونارڈ)

قرآن وہ واحد کتاب ہے۔ جس کے الہامی ہونے پر بے شمار تاریخی دلائل موجود ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ واحد رسول ہیں جن کی زندگی کا کوئی حصہ ہم سے مخفی نہیں۔

اسلام ایک ایسا فطری اور سادہ سا مذہب ہے جو اوہام و خرافات سے پاک ہے قرآن نے اس مذہب کی تفصیل پیش کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا۔ قول و عمل کا یہ حسین امتزاج کہیں اور نظر نہیں آتا۔ جے۔ ڈبلیو۔ لوگراف

(جناب برق سے معذرت کے ساتھ)

آپ کا وہ کمال جو آپ نے فتح مکہ کے بعد منافقوں کے حق میں ظاہر کیا۔ اخلاقِ انسانی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے۔ (ولیم ڈاڈ)

اگر آپ کی تعلیم پر انصاف و ایمان داری سے تنقیدی نظر ڈالی جائے، تو یہ کہنا ہی پڑتا ہے کہ وہ مرسل اور مامور من اللہ تھے۔ (ریو انڈ آر میکوٹیل)

حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا طرزِ عمل اخلاقِ انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تبلیغ و ہدایت خاص سچائی پر مبنی تھی۔ (کاؤنٹ ٹالسٹائی)

●

بنی نوع انسان پر جس شخص کی زندگی سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی۔ وہ رسولِ خدا حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ذاتِ مبارک ہے۔ آپ نے بڑی بیباکی سے قادرِ مطلق کی وحدت کی طرف نوعِ انسان کو بلایا ہے اور اب جو شخص بھی یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ دنیا نے اس بے باک دعوتِ حق کا کیسا جواب دیا، تو اسے چاہیئے کہ وہ اس کا جواب آج کرۂ ارض کے نقشہ پر تلاش کرے۔ اسے اسلامی ممالک میں آپ کی تعلیمات کے وہ نقوش ملیں گے۔ جو تلبیس و ریا سے بہت بلند ہیں۔

(جان ولیم ڈریپر)

●

نبیٔ اکرمؐ حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو اکثر مؤرخین نے اس دھند لکے میں دیکھا ہے۔ جب کہ چاروں طرف خوف اور جہالت پھیلی ہوئی تھی۔ ایسے مؤرخین نبی اکرمؐ کے متعلق کوئی بھی غلط بات بیان کر سکتے ہیں، لیکن اب تعصب اور جہالت کا کہرا افق سے ہٹ چکا ہے اور ہم اب بانیٔ اسلام حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو پوری روشنی اور تابناکی میں دیکھ سکتے ہیں اور انکے لائے ہوئے مذہب کی معقولیت کا اعتراف کر سکتے ہیں۔

(بشپ بوڈ کارپنٹر)

●

حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا لایا ہوا قانون، صاحب تاج بادشاہوں کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جتنا غریب سے غریب بے سہارا انسانوں کے لئے اس کی ضرورت واہمیت ہے۔ ان قوانین کو بہت سنجیدہ انداز، مفکرانہ ذہن، عالمانہ رنگ اور عملی سہولتوں کی خوبیوں کے ساتھ ساری دنیا کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔

(ایڈمنڈ برک)

●

مجھ کو کسی وقت بھی یہ خیال نہ ہوا کہ اسلام کی ترقی تلوار کی مرہون منت ہے، نہیں، بلکہ اسلام کی کامیابی رسولؐ اللہ کی سادہ و بے لوث زندگی، ایفائے وعدہ، اصحاب و پیروؤں کی غیر معمولی حمایت، توکل خدا اور ذاتی جرأت و استقلال سے وابستہ ہے۔

(ڈاکٹر برنگھم)

●

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پورا مذہب اسلام ایسے اصولوں کا مجموعہ ہے جو تمام تر معقولیت پر مبنی ہے۔ آپؐ کی تعلیم کی سادگی اور صفائی درحقیقت وہ زبردست قوتیں ہیں، جو اسلام کی ترقی اور تبلیغ میں برابر عمل کر رہی ہیں۔

(پروفیسر ایڈورڈ مونٹے)

آپ اپنی تعلیم کی سچائی سے اپنے مقصد میں ہمیشہ کامیاب رہے۔ اگر کسی شخص کو اس میں شک ہے کہ آپ میں شجاعانہ خصائل، روحانی خصوصیات اس قدر موجود نہیں تھیں، کہ جن کی بنیاد پر آپ دوسروں میں ممتاز تھے۔ تو وہ جائے اور حنین، بدر اور اُحد کے میدانوں کو دیکھے۔ (اکانڈی ہسٹری آف دی عربس اِن سپین جلد اوّل صفحہ نمبر ۳۲)

محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم) نے عورتوں کے حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ اس سے پہلے کسی نے نہ کی تھی، اس کی قانونی ہستی قائم کی گئی جس کی بدولت وہ مال وراثت میں حصہ کی حقدار ہوئی۔ وہ خود اقرار نامے کرنے کے قابل ہوئی اور ہر برقع پوش خاتون کو ہر شعبۂ زندگی میں وہ حقوق حاصل ہوئے۔ جو آج ۲۰ ویں صدی میں اعلیٰ تعلیم یافتہ آزاد عیسائی عورت کو حاصل نہیں ہیں۔ (مسٹر پیٹر کربٹس)

وہ نام کیا تھا جس سے کہ مکہ کے تمام مرد، عورت اور بچے آپ کو شناخت کرتے تھے۔ وہ نام "امین" تھا جس کے معنی اعتماد کے لائق اور بھروسہ کے قابل انسان کے ہیں کسی انسان کے لئے مجھے "امین" سے زیادہ معزز اور شریف لقب نظر نہیں آتا۔

(مسز اینی بینیٹ)

کوئی شک نہیں ہے کہ حضرت محمدؐ بڑے پکے راست باز اور سچے ریفارمر تھے۔

(ڈاکٹر اے۔ فری مین)

●

موحد پرست مستشرق مسٹر جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب "قرآن اور محمدؐ سے معذرت" کے دیباچے میں لکھتا ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا ناچیز لیکن مخلصانہ مقصد یہ ہے کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح حیات کو جھوٹی تہمتوں اور ناروا الزامات سے پاک کیا جائے اور آپؐ نے مخلوقِ عالم کی فلاح و بہبود کے لئے جو کچھ کیا ہے۔ اسے اچھی طرح آشکارا کیا جائے بعض مصنفین نے تعصب کے جوش میں توحید پرستی کے محافظ کی نیک نامی کو جو دھبہ لگایا ہے۔ اس قسم کی غلطی کر کے صرف یہی ظاہر نہیں کیا ہے کہ ان میں خود شرافت انسانیت اور علم و تحقیق کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے، بلکہ انہوں نے انصاف پسندی کے خلاف بھی کام کیا ہے۔

محمدؐ کی صداقت کی بیّن دلیل یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لوگ آپ پر ایمان لائے وہ آپ کے عزیز ترین دوست اور اعزا تھے۔ جو آپؐ کی عادات و خصائل سے بخوبی واقف تھے اور باوجود جستجو کے انہیں آپؐ میں کوئی ایسی برائی یا خامی نظر نہیں آئی جو ایک بناوٹی، دھوکہ باز شخص میں ہو سکتی ہے۔

میں سوال کرتا ہوں کہ کیا یہ خیال کرنا بھی ممکن ہے کہ ایک ایسی ذات جس نے ایسے ملک کو وحدانیت کی تعلیم دے کر اصلاح کی ہو، جو صدیوں سے بت پرستی کی ہولناک حماقت میں مبتلا رہا ہو۔ جس نے بچوں کے قتل کر ڈالنے کی رسم بد کو مٹایا ہو اور شراب خوری اور جوئے سے دنیا کو نجات دلائی ہو اور جس نے شادی کے لئے پاکیزہ سماجی آئین و قواعد بنائے ہوں۔ کیا ایسی ذات جو ان اصلاحات کے لئے

انتہائی کوشاں رہی ہو، مکار" اور دھوکہ باز" (نعوذ باللہ) خیال کی جا سکتی ہے؟ نہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سوائے سچائی اور حقانیت کی تعلیم کے جوش کے اور کچھ نہ تھا۔ پھر آخر لوگوں کو یہ یقین کیوں نہیں آتا کہ وہ سچائی اور حقانیت کی تعلیم کے لئے بھیجے گئے تھے۔

یہ نبیؐ آخرالزماں کی صداقت کا ایک بڑا ثبوت ہے کہ سب سے پہلے ■ لوگ اسلام لائے۔ جو آپ کے سب سے گہرے دوست تھے اور وہ پاکیزہ خاتونؓ جو آپ کی خانگی زندگی کی بہت ہی قریب سے واقف اور رازدان تھیں۔ انہوں نے آپؐ کو سب سے پہلے رسولِ برحق تسلیم کر لیا۔

رسولِ خدا کی زندگی میں اگر کہیں بھی ذرا سا الجھاؤ ہوتا تو جو لوگ آپ سے اس قدر قریب سے واقف تھے وہ ضرور آگاہ ہوتے اور کبھی بھی آپ کے نبیؐ ہونے کو تسلیم نہ کرتے، لیکن اس قدر قریب سے دیکھنے والوں کا اسلام قبول کرنا ثابت کرتا ہے کہ اندر اور باہر کہیں بھی آپؐ کی زندگی میں ریا نہ تھی۔ پوری کی پوری زندگی مبارک آئینہ کی طرح صاف اور روشن تھی۔

(جان ڈیون پورٹ)

●

اللہ اکبر! اگر محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ تعالےٰ کے رسولؐ برحق نہ تھے، تو اب تک پھر کوئی رسولؐ دنیا میں آیا ہی نہیں ہے۔

(مسٹر اسکاٹ مصنف اخبار اندلس)

●

آپؐ نہایت پُرجوش آدمی تھے، لیکن آپؐ کا یہ جوش نہایت شریفانہ تھا۔ اور ایک پاک مقصد کے لئے تھا۔ آپؐ کی ذات ان چند افراد میں سے ہے۔ جنہوں نے ایک عظیم الشان پیغام کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا ہے۔ آپؐ خدائے واحد کے پیغمبرؐ تھے۔

(اسٹینلے لین پول)

●

آپؐ کی صفاتِ حمیدہ ایسی عجیب و غریب ہیں کہ ایک شخص اُن کے کمال کا اندازہ لگانا چاہے تو سخت مشکل میں پڑ جائے گا۔ آپؐ اپنی قوم کی نفرت کا بھی شکار ہوتے ہیں۔ اُن سے مقابلہ بھی کرتے ہیں۔ آپؐ ہاتھوں ہاتھ بھی لئے جاتے ہیں۔ لیکن آپؐ کا خلقِ عظیم کبھی آپؐ سے جُدا نہیں ہوتا۔ بچوں کے ساتھ محبت کرتے ہیں۔ اپنے تبسم آمیز رویہ سے بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہیں۔ نہایت میٹھی زبان میں بڑے لوگوں سے گفتگو کر کے ان کو مسرور کرتے ہیں۔ نہایت صاف محبت، اعلیٰ درجہ کی سخاوت اور شجاعتِ مردانہ ہم کو مجبور کرتی ہے کہ ہم حضورؐ کی صفت و ثنا میں منہمک رہیں۔

(لین پول)

اسلام امن کا مذہب ہے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رسولؐ نے اسے تلوار کے
ذریعے پھیلایا۔ انہیں شاید اسلام کی تاریخ سے واقفیت نہیں ہے۔ آنحضرتؐ نے
دنیا میں اگر سب سے پہلا سبق یہ دیا کہ دنیا کی چیزیں تمہاری آقا نہیں ہیں، بلکہ تم
ان کے آقا ہو۔ اس لئے خدا کے علاوہ تمہیں دنیا کی کسی چیز کے آگے نہیں جھکنا چاہیے۔
دوسری چیز پیغمبرؐ اسلام نے ہمیں یہ سکھائی کہ انسان اپنی فطرت (صحیحہ) پر پیدا کیا گیا ہے
(آپ نے مال و دولت حسب و نسب یا رنگ کی بنیاد پر انسانوں کے درجے قائم کرنے
کی مخالفت کی اور دنیا سے غلام، آقا اور مفلس و مالدار کے فرق کو مٹا دیا۔ عرب کو عجمی پر
اور گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہ رکھی۔ لیکن آج کی نام نہاد مہذب دنیا میں یہ امتیاز
باقی ہے۔ انہیں چاہیے کہ وہ اسلام کے بانی سے سبق سیکھیں)
دنیاداری کو سب نے برا کہا، لیکن پیغمبرؐ اسلام نے اس فرق کو ختم کر دیا اور بتایا
کہ دنیاداری بھی دینداری ہے۔ بشرطیکہ احکام الٰہی کے عین مطابق ہو۔ جنگ عام طور
سے بری سمجھی جاتی ہے۔ مگر اسلام نے جنگ کے بھی اعلیٰ اصول پیش کئے۔ "جنگ میں
ہر کام جائز ہے" کے اصول کی مخالفت کی اور جنگ کا ایک خوبصورت نقشہ پیش کیا۔
آپؐ نے جنگ میں بھی ظلم و ناشائستگی اور جھوٹ کی مخالفت کی۔ چنانچہ اسلام کے نام
لیوا رات کے راہب اور دن کے شہسوار ہو کے مرتے تھے۔

فادر ولیم (ہندوستان چرچ بمبئی)

● عام طور پر حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) خاموشی پسند تھے۔ مزاج اقدس میں یکسانیت تھی۔ گو آپؐ ہشاش بشاش بھی رہتے تھے۔ مگر زیادہ تر سنجیدگی ہی پسند تھی۔ آپ کی مسکراہٹ بڑی دلفریب تھی۔ عام عربوں کے برعکس آپ کے جسم کا رنگ مائل بہ سرخ تھا۔ اضطراب اور جوش کی حالتوں میں چہرۂ انور زیادہ روشن ہو جاتا تھا۔ ذہانت بلاشبہ غیر معمولی تھی۔ آپ نہایت ہی ذکی اور بہت ہی فہیم تھے۔ قوتِ حافظہ اور یادداشت بہت قوی تھی۔ معاملات کے جملہ پہلوؤں کو جلد اور صاف صاف آپ سمجھ لیتے تھے۔ غذا میں آپؐ بہت سادگی پسند تھے۔

روزے بہت زیادہ رکھتے تھے۔ لباس مبارک میں کبھی بھی شان و شوکت کو ظاہر نہیں فرماتے تھے۔ خانگی معاملات میں بہت انصاف پسند تھے۔ امیر و غریب، دوست و اجنبی، طاقتور و کمزور سب کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ یکساں و مساوی تھا۔ طبیعت کی نرمی اور رحمدلی کی وجہ سے لوگوں میں نہایت محبوب تھے۔ غریبوں کی شکایتوں کو بڑی توجہ سے سنتے تھے اور ان کی تکالیف دور فرمانے میں بے حد کوشش کرتے تھے۔ فوجی فتوحات نے آپؐ میں کبھی غرور پیدا نہیں کیا (جب آپؐ انتہائی طاقت ور ہو چکے تھے۔ اس وقت بھی آپ کے اخلاق و عادات اور طرزِ زندگی میں وہی سادگی تھی جو آپ کی مصیبت کے زمانے کی زندگی میں تھی) دنیوی بادشاہت کے لوازمات کا آپ کے مبارک دل میں کبھی خیال بھی نہیں گزرا۔ آپؐ کی کسی بھی جگہ آمد کے وقت اگر آپ کے استقبال میں کوئی غیر معمولی شان پیدا کی جاتی تھی تو وہ آپ کو ناگوار گزرتی تھی۔ اگر آپؐ کسی عالمگیر حکومت کے خواہاں تھے، تو وہ تھی زمین پر خدا کی حکومت اور اخلاص کی حکومت۔

(واشنگٹن ارونگ)

حضرت محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اعلیٰ دماغ نے شاہانہ نمائش و دکھاوٹ سے نفرت کی۔ خدا کے رسولؐ نے گھر کے ادنیٰ درجے کے کام کئے۔ آپ نے آگ جلائی جھاڑو دی۔ بھیڑوں کا دودھ دوہا اور اپنے ہاتھ سے اپنی جوتیاں اور اپنے کپڑے درست کئے۔ راہبانہ زندگی کو آپ نے غلط سمجھا اور ایک معمولی عرب اور ایک معمولی سپاہی کی غذا حضورؐ نے نوش جان فرمائی۔ بعض موقعوں پر آپ نے اپنے ساتھیوں کو خوب پیٹ بھر کر کھانا کھلایا۔ مگر خانگی زندگی میں بعض ہفتے ایسے گزر جاتے تھے کہ نبیؐ کے چولہے پر آگ بھی نہ جلتی تھی۔ آپؐ نے اپنی حیاتِ مقدسہ کا مقصد راست بازی بنا لیا تھا اور اس طرح آپؐ نے اعلےٰ درجہ کی مسرت روحانی حاصل کر لی تھی۔ آپؐ ایک خدا کے قاصد تھے اور آپؐ نے اپنی زندگی کے آخری سانس تک اپنی ہستی کو اور اس پیغام کو جو کہ آپؐ کی زندگی کا مقصدِ وحید تھا۔ فراموش نہیں کیا۔ آپؐ نے وحیِ پاک اپنی قوم کو نہایت شان کے ساتھ پہنچائی جس میں عجز و انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی اور اس انکساری سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ آپؐ اپنی ذات کا بھی بخوبی علم رکھتے ہیں۔

(لیونارڈ)

میں مذہب اسلام سے اُنس رکھتا ہوں۔ اس کی تعلیم کو عزت و دفعت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اور اسلام کے پیغمبرؐ کو مہاپرشوں میں سمجھتا ہوں۔

(لالہ لاجپت رائے)

●

جہاں تک خدا اور مذہب کا تعلق ہے۔ آپ انتہائی سخت تھے اور جہاں تک انسانوں کا اور بالخصوص عورتوں اور بچوں کا تعلق ہے۔ آپ نہایت رحم دل اور نرم تھے۔ آپؐ اپنے چچا جناب ابوطالب کے نہایت فرمانبردار اور مطیع تھے۔ کیوں کہ ان کا سایہ بطور والد کے تھا۔ آپؐ اپنے خدا کے بندے تھے۔ آپؐ شوہر ہونے کے اعتبار سے دنیا کے لئے ایک نمونہ تھے۔ ایک مہربان باپ تھے۔ ایک اچھے آقا تھے۔ آپؐ میں غریبوں، کمزوروں اور بے کسوں کیلئے ہمدردی موجود تھی اور وہ ہمدردی بے نظیر اور لاثانی تھی۔ عورتوں کی پست، محکوم اور غیر محفوظ حالت نے اور ان کی اخلاقی برتری نے آپ کا دامن پکڑا اور زندگی میں عزت و اقتدار حاصل کرلیا۔ آپؐ کی زندگی ہر لحاظ سے سادہ تھی۔

(میجر لیونارڈ)

رسول اللہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اپنی غیر مسلم رعایا سے جس قدر برتاؤ کرتے تھے۔ اس کا عکس مندرجہ ذیل واقعہ میں دیکھیئے۔

مدینہ منورہ کے پاس ایک مقام خیبر ہے۔ جہاں کے باشندے غیر مسلم یعنی یہودی تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے آپ کی خدمت میں زہر ملا ہوا گوشت پیش کیا۔ جب معلوم ہو گیا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے تو ان لوگوں کو بلا کر دریافت کرنے پر انہوں نے اپنے جرم کا اقرار کر لیا۔ رسولِ خدا (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے تحمل کو دیکھیئے کہ اس کے باوجود کہ ان لوگوں نے آپ کے قتل کا ارادہ کیا تھا اور وہ مشرک بھی تھے۔ مگر آپ نے انہیں معاف فرما دیا اور انتقام کا خیال تک بھی دل میں نہیں آنے دیا — غور کرنے کا مقام ہے کہ جب قصور وار مشرک تک سے آپ درگزر فرماتے تھے اور ان سے سختی تک کرنے کو ناپسند فرماتے تھے، تو کسی بے قصور مشرک پر سختی کرنی آپ کے نزدیک کیسے جائز ہو سکتی تھی۔

(پنڈت رام کنور چوبے ایم۔ اے۔ ایم آر اے ایس)

شری رام چندر جی مہاراج، بھگوان کرشن، گورونانک دیوجی، حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ سب روحانی بادشاہ ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی ہے۔ جس کا مقدس نام حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) ہے (اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہر ریفارمر نے اگر دنیا میں بہت کچھ کیا ہے۔ مگر حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلّم) صاحب نے دنیا پر اس قدر احسان کئے ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی) میں خوش ہوں کہ ہماری قوم میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو حضرت محمدؐ کے مشن کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آپ کی تعلیم کے اثر کو محسوس کرتے ہیں۔ اگرچہ ہر مذہب کے لوگوں نے آپ کے متعلق اچھی رائے دی ہے۔ مگر چند ایک ہندوؤں کے نام کا اظہار کرتا ہوں۔ جو حضرت محمدؐ صاحب کے مشن کی خوبیوں کو خوب اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ جیسے سروجنی نیڈو۔ لالہ لاجپت رائے۔ مہاتما گاندھی۔ مسٹر بھولا بھائی ڈیسائی اور پنڈت موتی لعل نہرو وغیرہ۔

(مسٹر سی آر داس)

●

میرا اٹل ایمان ہے کہ پیغمبرِ اسلام حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی ہستی بنی نوع انسان کے لئے ایک رحمت تھی (پیغمبرِ اسلام نے تاریخ و تمدن، تہذیب و اخلاق کو وہ کچھ دیا ہے جو شاید ہی کوئی بڑی ہستی دے سکی ہو۔)

(پروفیسر رگھوپتی سہائے فراق (گورکھپوری)

●

تقریباً سارا یورپ، کُل امریکہ اور آسٹریلیا حضرت عیسیٰؑ کا پیروکار ہے۔ چین جاپان، سیام اور تاتار مہاتما بدھ کا دم بھرتا ہے۔ مگر جس عزت و توقیر و تعظیم و تکریم اور صدق و ارادت کے ساتھ "خاتم الانبیاءؐ" کا نام لیا جاتا ہے۔ کسی دیگر پیر، پیغمبر، ولی، گورو، رشی اور نبی کا ہرگز نہیں لیا جاتا (جو اخوت پیغمبرِ اسلام نے قائم کی ہے۔ کوئی نہیں کر سکا جس مضبوط چٹان پر اسلام کی بنیاد حضرت محمدؐ نے رکھی ہے۔ وہ کسی اور کا حصہ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں اس امر کا یقینی ثبوت ہیں کہ حضرت محمدؐ صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) غیر معمولی طاقت والے غیر معمولی انسان تھے اور انسان کی اصلاح کے لئے خدا کے فرستادہ تھے۔

(لالہ بشن داس جی)

● حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا ظہور بنی نوع انسان پر خدا کی ایک رحمت تھا۔ لوگ کتنا ہی انکار کریں۔ مگر آپ کی اصلاحات عظیمہ سے چشم پوشی ممکن نہیں ہے۔ ہم بودھ دھرم کے ماننے والے حضرت محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) سے بے حد محبت رکھتے ہیں اور آپ کا انتہائی احترام کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے برما میں ہمارے تعلقات مسلمانوں سے بہت زیادہ بہتر ہیں۔

(بدھ دھرم کے پیشوائے اعظم جناب مانگ تونگ صاحب)

● جمہوریت، اخوت، مساوات ــــ یہ وہ عطیات ہیں۔ جو حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی نوع انسان کو عنایت کئے اور حقیقت میں یہی وہ اصول ہیں جن کی ہر زمانہ اور ہر دور کے معلموں نے اشاعت کی ہے۔

(لالہ رام لال ورما ایڈیٹر "تیج")

●

عام خیال یہ ہے کہ اسلام شمشیر کے زور سے پھیلا ہے۔ مگر ہم اس رائے سے موافقت کا اظہار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ زبردستی کی وجہ جو چیز کسی ظالم کو دی جاتی ہے۔ وہ جلد ہی ظالم سے واپس بھی لے لی جاتی ہے۔ اگر اسلام کی اشاعت جبر کے ساتھ کی گئی ہوتی تو آج اسلام کا نام و نشان بھی باقی نہ رہتا، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ اسلام دن بدن ترقی کر رہا ہے۔ کیوں؟ یہ اس لئے کہ بانی اسلام (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے اندر روحانی شکتی تھی۔ منش ماتر (بنی نوع انسان) کے لئے پریم تھا۔ آپ کے اندر محبت اور رحم کا پاک جذبہ کام کر رہا تھا اور نیک خیالات کی طرف آپ راہنمائی کرتے تھے۔ (ایڈیٹر رسالہ "ست اپدیش")

●

سری رام چندر جی مہاراج، بھگوان کرشن، اگر دنانک دیوجی، حضرت موسیٰؑ حضرت عیسیٰؑ، یہ سب روحانی بادشاہ تھے اور میں کہتا ہوں کہ ان میں ایک روحانی شہنشاہ بھی تھا جس کا مقدس نام محمدؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تھا جس کی پوتر لائف کے متعلق کچھ کہنا بے حد مشکل ہے۔ اس میں شک نہیں ہے کہ ہر ایک ریفارمر نے آکر دنیا میں بہت کچھ کیا ہے۔ مگر حضرت محمدؐ صاحب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے آکر دنیا پر اس قدر احسانات کئے ہیں جس کی مثال نہیں مل سکتی۔

(پنڈت بھگت سائیں داس صاحب ایڈووکیٹ (کوہ مری)

●

(پیغمبرؐ اسلام ایک باعمل انسان اور بہت بڑے شہری تھے)۔ ان کی سچائی کی پیاس کو سوائے وحی الٰہی کے اور کوئی چیز نہ بجھا سکتی تھی۔ انہوں نے اپنی قوم کو اپنی زندگی میں مہمل فلسفہ کی کبھی تعلیم نہیں دی۔ بلکہ مصیبت اور دکھوں میں سینہ سپر رہنے کا اصول ان کی زندگی کا جزو بنا دیا۔ حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہمیشہ رواداری کی تعلیم وتلقین کی۔ وہ ہمیشہ عالمگیر اتحاد کے حامی رہے۔

(سر پی سی راما سوامی آئر مدراس)

چھٹی صدی میں عرب کی اخلاقی حالت بہت خراب تھی جب کوئی عرب مرجاتا اور وہ اپنی بیویاں چھوڑ جاتا تھا، تو اس کے بعد اس کا بیٹا سوائے اس عورت کے جس کے پیٹ سے وہ پیدا ہو۔ باقی سب عورتوں کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا۔ علاوہ ازیں عارضی شادیاں بھی ہوتی تھیں۔ عرب قوم میں اتفاق کا نام ونشان نہ تھا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کا گلا کاٹا کرتے تھے، لیکن دنیا کی تاریخ میں یہ معجزہ ہوا ہے۔ کہ حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس قوم میں جان ڈال دی۔ حضرتؐ نے انہیں سکھایا کہ بت پرستی چھوڑ دو اور ایک خدا کو مانو۔ شروع میں حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صرف تیس معاون اور مددگار تھے۔ ان کی جاتی "قریش" ان کی مخالف تھی۔ آخر حضرت محمدؐ صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان میں جادو کی بجلی بھر دی۔ وہ بجلی جو انسانوں کو دیوتا بنا دیتی ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ بجلی راجوں، مہاراجوں میں نہیں بھری تھی، بلکہ عام لوگوں میں بھری تھی۔ یہ غلط ہے کہ اسلام محض تلوار سے پھیلا ہے، بلکہ یہ امر واقعہ ہے کہ اشاعتِ اسلام کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی گئی۔ اگر کوئی مذہب تلوار سے پھیل سکتا ہے، تو آج ہی کسی مذہب کو کوئی پھیلا کر دکھلا دے۔

(پروفیسر رام دیو بی۔ اے)

آنحضرتؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی شان میں ناواقفیت یا شرارت سے یہ کہنا کہ "آپ کی تعلیم قتل وخونریزی کی تعلیم تھی" بالکل غلط اور خلاف واقعہ ہے جس شخص کا دل ننھے ننھے بچوں کے رونے سے بے قرار و بے چین ہو جائے۔ جو ہزاروں گالیاں سن کر بھی اپنی نگاہ نیچی رکھے۔ اور کعبہ کے فتح کے دن صبر وتحمّل اور رحم ورزواداری کا وہ بے مثل مظاہرہ کرے کہ جس کی نظیر فاتحینِ عالم کی پوری تاریخ میں نہ مل سکے۔ یعنی اپنے بدترین دشمنوں کو بھی قابو میں لانے کے بعد معاف کر دے جو ظلم و تعدّی کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرے۔ سب کچھ غریبوں اور مفلسوں پر نچھاور کر دے۔ جو خود اپنے ہاتھوں سے غیر مسلموں کی خدمت گزاری کرے اور ان کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آئے غیر مسلموں کے وفود اور سفارتوں کا استقبال کرے اور اپنی مسجد میں ایک غیر مسلم کی پھیلائی ہوئی گندگی اور نجاست کو اپنے برگزیدہ ہاتھوں سے صاف کرنے میں بھی دریغ نہ کرے۔ کیا اس کی شان میں ایسا کہا جا سکتا ہے؟

آنحضرتؐ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی تعلیم ہمیشہ یہ رہی کہ جو فعل کیا جائے۔ وہ خلوص اور سچائی سے کیا جائے۔ آپؐ کی تعلیم کا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت گزاری کے سوا ہرگز ہرگز کچھ نہیں۔

(بابو برج بہاری لال بی اے ایل ایل بی)

● سیرت النبی کے مطالعہ سے میرے اس عقیدے میں مزید پختگی اور استحکام آگیا کہ اسلام نے تلوار کے بل پر رسوخ حاصل نہیں کیا۔ بلکہ پیغمبرِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کی انتہائی بے نفسی، عہود و مواثیق کا انتہائی احترام اور اپنے رفقاء و متبعین کے ساتھ گہری وابستگی، جرأت، بے خوفی، اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ اور اپنے مقصد و نصب العین کی حقانیت پر کامل اعتماد، اسلام کی کامیابی کے حقیقی اسباب تھے۔ یہ خصائص ہر رکاوٹ اور ہر مشکل کو اپنی ہمہ گیر رَو میں بہا کر لے گئے۔

(گاندھی)

●

جس وقت تمام مغرب (یورپ) پر اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس وقت ایک روشن و چمکدار ستارہ مشرق کے آسمان پر چمکا۔ اس نے نہ صرف ساری دنیا کو روشن کر دیا۔ بلکہ تمام مصیبت زدہ مخلوق کو آرام و راحت پہنچائی۔ اسلام ان مذاہب میں نہیں جو جھوٹے کہے جاتے ہیں۔ اگر ہندو احترام کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کریں تو یقیناً وہ بھی میری طرح اس کا احترام کرنے لگیں گے۔ (گاندھی)

●

دین اسلام لانے والے حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) صاحب کی زندگی دنیا کو بے شمار قیمتی سبق پڑھاتی ہے۔ حضرت محمدؐ کی ہر ایک حیثیت دنیا کے لئے سبق دینے والی ہے۔ بشرطیکہ دیکھنے والی آنکھ، سمجھنے والا دماغ اور محسوس کرنے والا دل ہو۔

(مہاتما ستیہ دھاری)

نسل، رنگ، قومیت اور مذہب کے ہاتھوں مختلف ٹکڑوں میں بٹی ہوئی دنیا کو آج بھی رسولِ کریم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ تمام انسانوں کو برابری کے حقوق اور مواقع حاصل ہونے چاہییں۔ رسولِ کریم کے اس پیغام کو ہمارے ملک کے دستورِ اساسی میں بھی جگہ دی گئی ہے۔

مسٹر کے ایم منشی گورنر (یوپی)

حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بنی نوع انسان کو ایمان داری، امن اتحاد اور رواداری کا پیغام دیا۔ آج جب کہ تمام دنیا نفاق اور فسادات سے ٹکڑے ٹکڑے ہو رہی ہے۔ آنحضرتؐ کے دکھائے ہوئے راستہ پر چلنا اور بھی ضروری ہو جاتا ہے۔

ٹھاکر حکم سنگھ وزیر صنعت و حرفت (یوپی)

آپ کی تعلیم کسی ایک ملک یا ملت کے لئے نہیں تھی آپ کا پیغام ساری دنیا کے لئے تھا۔ آپ نے اتحاد، بھائی چارہ اور انسانی ہمدردی کے اصولوں پر زور دیا۔ میں اس عظیم الشان ہستی کو ہدیۂ عقیدت پیش کرتا ہوں۔

پنڈت گووند بلبھ پنت (سابق وزیر حکومت ہند)

دنیا کی موجودہ تہذیب صرف اسلام کی بدولت ہے۔

ڈاکٹر کے ایس سیتارام ایم اے۔ پی ایچ ڈی

امن و سکون کی متلاشی اس دنیا میں پیغمبر اسلام کا پیغام ایک مینارۂ نور ہے۔

مسٹر پی ہن منت راؤ (وزیر مال حیدرآباد دکن

عقیدت کے موتی

(غیر مسلم شعراء کا نعتیہ کلام)

ہندو ہے ایک احمدِ مرسلؐ کا مدح گر
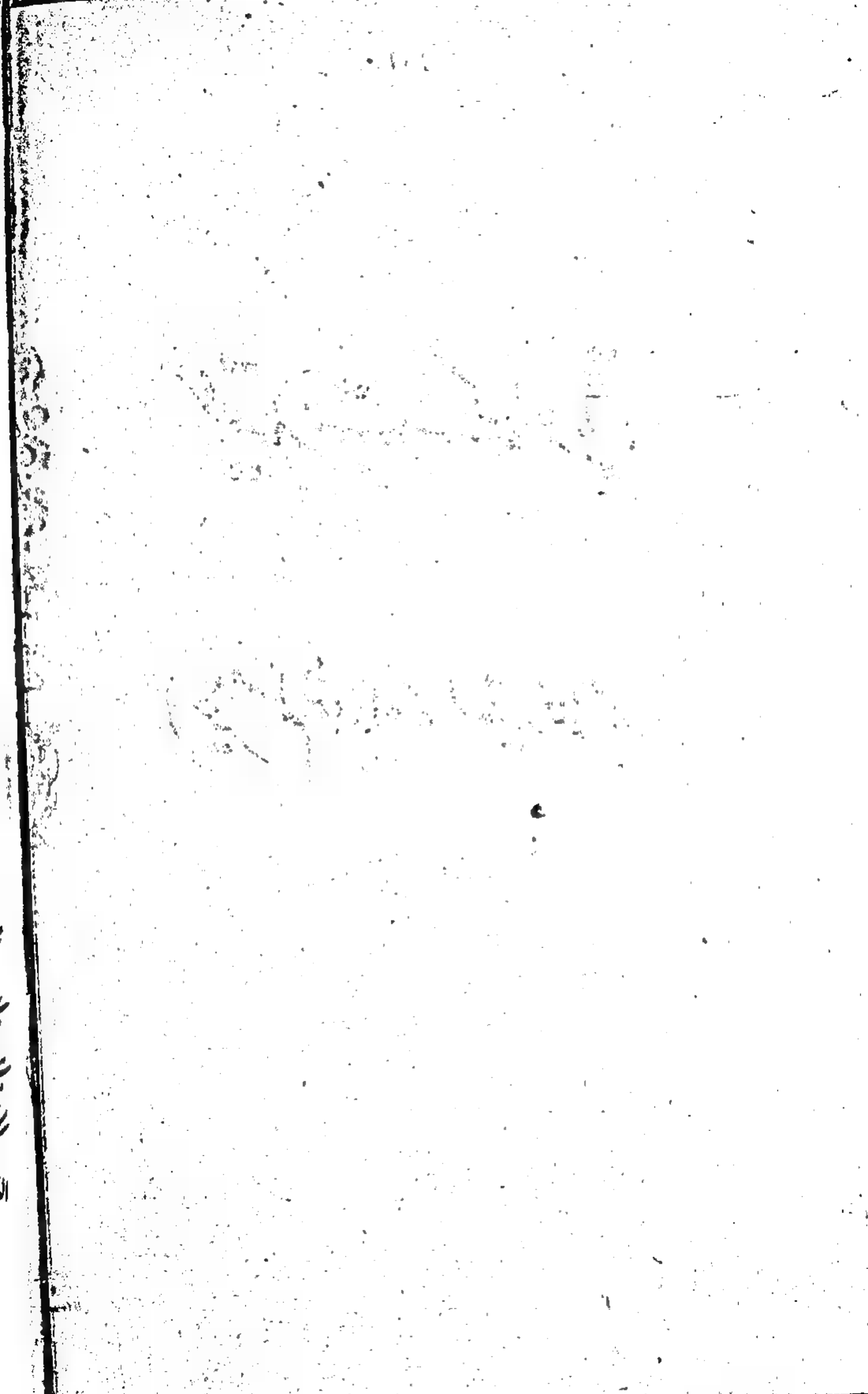
محشر میں دی فرشتوں نے داور کو یہ خبر — ہندو ہے ایک احمدِ مرسلؐ کا مدح گر
ہے بت پرست گرچہ وہ لیکن ہے نعت گو — احمدؐ کی نعت لکھتا ہے۔ دنیا میں بیشتر
ہے نام دلّو رام تخلص ہے کوثری — لے جائیں اس کو خلد میں یا جانب سقر
سنتے ہی یہ ملائکہ سے اک انوکھی بات — فرمایا ذوالجلال نے جنت ہے اسکا گھر
اللہ اکبر! احمدِ مرسل کا یہ لحاظ — کی حق نے لطف کی سگِ دنیا پہ بھی نظر

(چودھری دلّو رام کوثری)

اِک عربؐ نے آدمی کا بول بالا کر دیا

کِس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا؟
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا؟

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اُنکے نام پر
اللہ اللہ! موت کو کس نے مسیحا کر دیا؟

شوکتِ مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم؟
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا؟

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِ یتیم؟
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا؟

کہہ دیا لاتقنطو اختر کسی نے کان میں؟
اور دل کو سربسر محوِ تمنا کر دیا۔

سات پردوں میں چھپا بیٹھا تھا حسنِ کائنات
اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا۔

آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اِک عربؐ نے آدمی کا بول بالا کر دیا

(پنڈت ہری چند اختر ایم۔ اے)

طوفانِ زندگی کا سہارا تمہی تو ہو

طوفانِ زندگی کا سہارا تمہیں تو ہو
دریائے معرفت کا کنارہ تمہیں تو ہو

ہاں ہاں تمہیں تو ہو دلِ عالم کے دلنواز
دلدار و دل نشین و دلآرا تمہیں تو ہو

دنیا کے غم رُبا ہو زمانے کے دردمند
امت کے دل کے زخم کا چارا تمہیں تو ہو

لطفِ خدائے پاک شفاعت کے بھیس میں
فیضِ عمیم کا وہ اشارہ تمہیں تو ہو۔

ملتی ہے تم سے ان کی نگاہوں کو روشنی
دنیا و دیں کی آنکھ کا تارا تمہیں تو ہو

تم پر ہمیشہ مطلعِ عالم کو ناز ہے۔
رہتا ہے اوج پر جو ستارا تمہیں تو ہو

جاتی ہے عرش تک یہ تمہارے ہی فیض سے
میری دعائے دل کا سہارا تمہیں تو ہو

(عرش ملسیانی)

محمدؐ شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

زبان افسانۂ دل بود شب جائے کہ من بودم
نظر نظارہ منزل بود شب جائے کہ من بودم

نہ محفل دیدم و نے محفل آرائے دگر دیدم
ہماں یک جانِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

بدریایم نہ بودے حلقۂ گرداب و طوفانے
سکونِ ریگِ ساحل بود شب جائے کہ من بودم

امیدِ راحتِ عقبےٰ فراغت از غمِ دنیا
مرا ہر لطف حاصل بود شب جائے کہ من بودم

ہرآں نجمے کہ کسبِ نور کردے از نگارِ من
شبیہہِ ماہ کامل بود شب جائے کہ من بودم

ملائک دست بستہ عرش و کرسی لطف آمادہ
محمدؐ صدرِ محفل بود شب جائے کہ من بودم

عرش ملسیانی

بڑے، چھوٹے میں جس نے اک اخوت کی بنا ڈالی
زمانہ سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی

سلام اُس پر جو آیا "رحمۃ للعٰلمین" بن کر

سلام اُس ذاتِ اقدس پر سلام اُس فخرِ دوراں پر
ہزاروں جس کے احسانات ہیں دنیائے امکاں پر

سلام اُس پر جو حامی بن کے آیا غم نصیبوں کا
رہا جو بیکسوں کا آسرا، مشفق غریبوں کا

مددگار و معاون بے بسوں کا، زیر دستوں کا
ضعیفوں کا سہارا اور محسن حق پرستوں کا

سلام اُس پر جو آیا "رحمۃ للعالمین" بن کر
پیامِ دوست لے کر "صادق الوعد و امیں" بن کر

سلام اُس پر کہ جس کے نور سے پُر نور ہے دنیا
سلام اُس پر کہ جس کے نطق سے مسحور ہے دنیا

سلام اُس پر جلائی شمعِ عرفاں جس نے سینوں میں
کیا حق کے لئے بیتاب سجدوں کو جبینوں میں

سلام اُس پر بنایا جس نے دیوانوں کو فرزانہ
مئے حکمت کا چھلکایا جہاں میں جس نے پیمانہ

بڑے چھوٹے میں جس نے اِک اخوت کی بنا ڈالی
زمانہ سے تمیزِ بندہ و آقا مٹا ڈالی

سلام اُس پر فقیری میں نہاں تھی جس کی سلطانی
رہی زیرِ قدم جس کے شکوہ و شانِ خاقانی

سلام اُس پر جو ہے آسودہ زیرِ گنبدِ خضریٰ
زمانہ آج بھی ہے جس کے در پر ناصیہ فرسا

سلام اُس پر کہ جس نے ظلم سہہ سہہ کر دعائیں دیں
وہ جس نے کھائے پتھر گالیاں اس پر دعائیں دیں

سلام اس ذاتِ اقدس پر حیاتِ جاودانی کا
سلام آزاد کا، آزاد کی رنگین بیانی کا

(جناب جگن ناتھ صاحب آزاد)

دِل سُلگتا ہی رہا فُرقت میں اُن کی عمر بھر

دشتِ فاراں تک جو میرِ کارواں پہنچا نہیں
معرفت کی منزلوں تک وہ جواں پہنچا نہیں

اِک قطرہ مل سکا اس کو نہ جامِ عشق سے
تشنہ لب جو تا درِ پیرِ مغاں پہنچا نہیں

دل سلگتا ہی رہا فرقت میں ان کی عمر بھر
گنبدِ خضرا تلک لیکن دھواں پہنچا نہیں

مدحِ حسنِ مصطفےٰ ہے ایک بحرِ بیکراں
اسکے ساحل تک کوئی شیریں بیاں پہنچا نہیں

نیک و بد کی بے خبر تو واقفِ کونین ہے
ہے یہ تیری جہاں وہم و گماں پہنچا نہیں

یہ فریبِ نفس ہے آنندؔ الفت تو نہیں
اب تک انکے گوش تک شورِ فغاں پہنچا نہیں

(جناب پنڈت جگن ناتھ پرشاد صاحب آنندؔ)

عرش پر آتے ہیں محبوبِ خدا آج کی رات

یوں گئے چرخ پہ محبوبِ خدا آج کی رات
کہ ہوئے روح الامین راہ نما آج کی رات

کھل گئے چرخ پر اسرارِ خدا آج کی رات
پڑگئی عرش پہ بنیادِ وفا آج کی رات

کوئی دیکھے تو یہ اندازِ عطا آج کی رات
جو بھی دینا تھا وہ خالق نے دیا آج کی رات

ہے فرشتوں میں یہی شور بپا آج کی رات
عرش پر آتے ہیں محبوبِ خدا آج کی رات

شبِ معراج ہے۔ محبوب و محب ملتے ہیں
کیسا لائی ہے یہ پیغامِ صبا آج کی رات

کس کے پر تو سے منور ہے بساطِ عالم
عرش پر کون ہوا جلوہ نما آج کی رات

اللہ اللہ! یہ اعزازِ محمد دیکھو
خود طلب کرتا ہے بندہ کو خدا آج کی رات

اس طرح پھیلی ہے کچھ روئے محمدؐ کی ضیاء
ذرۂ خاک بھی مہتاب ہوا آج کی رات

"بمقامے کہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی"
خود یہ کہتا تھا محمدؐ سے خدا آج کی رات

نورِ عرفان سے میرا دل بھی ہے روشن گوہر
ظلمتِ کفر میں پھیلی ہے ضیاء آج کی رات

جنابِ ڈگمبر پرشاد صاحب گوہر دہلوی

اسُ کی اُمّت سو رہی ہے ہائے اسکو کیا ہوا؟

بارِ عصیاں سے کل ملک عرب مخمور تھا
سوجھتا اس کو نہ تھا زنہار راہِ ارتقا

اس خدائے دو جہاں کا دیکھئے لطف و کرم
ریت کے ذرّوں کو عالم میں کیا جلوہ نما

کاشفِ اسرارِ وحدت یا محمدؐ مصطفےٰ!
آن کر تو نے عرب کا پار بیڑا کر دیا!

ہادیٔ برحق کہوں یا تجھ کو نورِ معرفت
یارہ وحدت کا سمجھوں تجھ کو سچا راہنما

ناز ہے اہلِ عرب کو ہی نہ تیری ذات پر
حشر تک تجھ پر کرے گا فخر سارا ایشیا

امن کا چشمہ بہایا خشک ریگستان میں
آفریں عصمت سراپا آفریں صد آمنہؓ

علم کا شربت پلایا جس نے اپنے شیر میں
کون ہے اجز نام تیرا اے حلیمہؓ دے بھلا

جاہلوں اور وحشیوں کو لایا راہِ راست پر
آفریں ہمت پہ تیری یا محمدؐ مصطفےٰ!

کام تو نے وہ کیا کھا کر فقط نانِ جویں
زندۂ جاوید جس سے دو جہاں میں بن گیا

آج اُمّت کو تیری حاصل ہیں تن آسانیاں
ہائے پھر کار نمایاں کچھ نہیں اس سے ہوا

بزم میں دریائے الفت رزم میں جنگی جوان
الغرض ہر اک ہنر میں تھا تیرا رتبہ بڑا

آج تیری قوم پر افسوس آتا ہے مجھے
فرقہ بندی نے جسے زنجیر درپا کر دیا۔

وہ زمانے کو نہ سمجھے اس کی کیا رفتار ہے
سرزمین سے اس کو اپنی کچھ نہیں الفت ذرا

جس کی ذاتِ پاک میں حبِّ وطن کا جوش تھا
اس کی اُمّت سو رہی ہے ہائے اسکو کیا ہوا

التجا امت سے تیری یہ دلِ خستہ کی ہے
کام وہ ایسا کرے ہو ملک کا جس سے بھلا

(پنڈت گینشی لال صاحب خستہ دہلوی)

السلام اے واقفِ سرِّ نہاں

السلام اے شمعِ انوارِ جہاں! — السلام آئینہ دارِ کن فکاں!
السلام اے سیدِ کون و مکاں! — السلام اے واقفِ سرِّ نہاں!
السلام اے خواجۂ پیغمبراں! — السلام اے مظہرِ ربِ جہاں!
السلام اے ہادیٔ گم گشتگاں! — السلام اے شافعِ بے چارگاں!
السلام اے مالکِ ہر دو جہاں! — السلام اے وجہِ تخلیقِ زماں!
السلام اے تاجدارِ مرسلاں! — السلام اے رازدارِ کُن فکاں!
السلام اے محسنِ نوعِ بشر! — السلام اے نکتۂ حسنِ جہاں!
السلام اے شہریارِ دینِ حق! — السلام اے خسروِ نورانیاں!

السلام اے جانِ بھگوان السلام!
السلام اے سجدہ گاہِ عاشقاں!

(رانا بھگوان داس بھگوان)

ترا نطقِ معجز کلام اللہ اللہ

پیامِ سحر شب کے نام اللہ اللہ ! نبوّت کا ماہِ تمام اللہ اللہ !
ہر اِک تشنہ لب شاد کام اللہ اللہ ! ہے فیضِ نبی کتنا عام اللہ اللہ !
ترے مصحفِ رُخ پہ گیسوئے مشکیں ہر صبح اللہ اللہ ! ہر شام اللہ اللہ !
نظر بھی منوّر ، نفس بھی معطّر یہ فیضِ درود و سلام اللہ اللہ !
امیدِ شفاعت سے لبریز ہیں دل پلایا ہے تو نے وہ جام اللہ اللہ !
ہیں جن و بشر آج تک سر بسجدہ یہ توقیر باب السّلام اللہ اللہ !
نہ تفسیر ممکن ، نہ تشریح آساں ترا نطقِ معجز کلام اللہ اللہ !

خدائی کو عرفان بخشا خدا کا
یہ فیضان خیر الانام اللہ اللہ !

شہِ انس و جان خاتم الانبیا ہیں نبوّت کا یہ اختتام اللہ اللہ !

زمیں کی پہنچ اور عرشِ بریں تک
لبِ جوش پر تیرا نام اللہ اللہ !

(ارادھارمن جوش بدایونی)

نظر میں عرش کے جلوے ہیں دِل منوّر ہے

نظر میں عرش کے جلوے ہیں۔ دل منور ہے۔
مری زبان پہ وصفِ رُخِ پیمبر ہے

قدم قدم پہ جلے تیری رہبری کے چراغ
نفس نفس تیری تطہیر سے معطر ہے۔

فراخ جس کا ہے دستِ کرم دو عالم پر
تو وہ سخی ہے حقیقت میں وہ تونگر ہے

تمام نکہت و رنگ و طرب ہیں جس پہ نثار
رسولؐ باغِ نبوت کا وہ گلِ تر ہے

مٹا دے اُمّتِ مرحوم کی بھی تشنہ لبی!
کہ تیرے قبضے میں زمزم ہے اور کوثر ہے

ادا حسینؓ کو یہ تیرے ہی شرف سے ملی
زبان محوِ عبادت ہے سر پہ خنجر ہے

نہیں ہے غم ہمیں خورشیدِ حشر کا ہرگز
ہمارے سر پہ تری رحمتوں کی چادر ہے

نگاہ حُسنِ جہاں پر نہیں مری عارجؔ
کہ دل اسیرِ ادائے رُخِ پیمبرؐ ہے

(امر سنگھ عارج رود پڑی بی۔ اے)

ہے سر میں سمایا ہوا سودائے محمدؐ

دیکھی ہے کہیں صورتِ زیبائے محمدؐ
پھرتا ہے نظر میں قدِ رعنائے محمدؐ

قربانِ تصور کے پھرتی ہے شب و روز
آنکھوں میں مری صورتِ زیبائے محمدؐ

آنکھوں میں لگا لوں میں اسے سرمہ سمجھ کر
مل جائے اگر خاکِ کفِ پائے محمدؐ

ہیں کون و مکاں جلوۂ پر نور سے روشن
پھیلی ہوئی ہر سو ہے تجلائے محمدؐ

پھر بھول کے وہ نام نہ لے حور و جناں کا
دیکھے جو کوئی صورتِ زیبائے محمدؐ

روتا ہوں بہت سروِ گلستاں سے لپٹ کر
یاد آتا ہے جب وہ قدِ رعنائے محمدؐ

لے چل سوئے یثرب مجھے اے شوقِ مدینہ
دیکھوں میں وہاں حسنِ دلآرائے محمدؐ

کیوں نامِ محمدؐ نہ ہو ہر وقت زباں پر
ہے سر میں سمایا ہوا سودائے محمدؐ

کیونکر نہ جہاں میں ہو مرا مرتبہ عالی
میں اخترؔ ناچیز ہوں شیدائے محمدؐ

منشی شوری لال صاحب اختر امرتسری

مُدّت سے ہے اب وردِ زباں ہائے مدینہ!

لے لے گی میری جان تمنائے مدینہ
مدّت سے ہے اب وردِ زباں ہائے مدینہ

کیونکر نہ دل و جان سے مجھے بھائے مدینہ
آنکھوں میں بسا ہے مرے مولائے مدینہ

ہر داغِ جگر میں ہے، گُلِ خلد کی خوشبو
جب سے ہے مرے دل میں تمنائے مدینہ

عقل و خرد و ہوش ہوں وارفتۂ وحشت
دکھلائے جنوں مجھ کو جو صحرائے مدینہ

کونین کی چیزوں میں مجھے کچھ نہیں بھاتا
جس دن سے میرے سر میں ہے سودائے مدینہ

جنّت کی ہوس، خلد کی خواہش نہ رہے پھر
اک بار جو قسمت مجھے دکھلائے مدینہ

حورانِ بہشتی بھلا کیا اُس کو لبھائیں
بھا جائے جسے شاہدِ زیبائے مدینہ

چھپ جائیں مہ و مہر ابھی ابر کے اندر
برق اپنی تجلّی کی جو چمکائے مدینہ

ہو جائیں زلیخا کی طرح حضرت یوسفؑ
دیکھیں جو یہاں دلبرِ رعنائے مدینہ

سُرمہ کی طرح آنکھوں میں سالکؔ میں لگاؤں
ہاتھ آئے جو خاکِ درِ آقائے مدینہ

جناب سالگ رام صاحب سالکؔ گرداری

کون محبوبِ الٰہی ہے سوائے مصطفیٰؐ

بے خبر ہوں دونوں عالم سے سوائے مصطفیٰؐ
یاالٰہی! دل ہو ایسا مبتلائے مصطفیٰؐ

دل ہے میرا بستۂ زلفِ دوتائے مصطفیٰؐ
جان ہے پروانۂ شمعِ لقائے مصطفیٰؐ

حکم موسیٰؑ کو ہوا "فاخلع" مگر معراج میں
تاجِ فرشِ عرش ہے نعلین پائے مصطفیٰؐ

بوریائے فقر، تختِ سلطنت سے ہے سوا
بادشاہِ ہفت کشور ہے گدائے مصطفیٰؐ

ذرّے اُس در کے ہیں کیا سیارے کیا شمس و قمر
جلوہ آرا شش جہت میں ہے ضیائے مصطفیٰؐ

جو ہُوا سائل، رہی اس کو نہ پھر کچھ احتیاج
ایسا کر دیتی ہے مستغنی عطائے مصطفیٰؐ

"شافعِ محشر" ملا ہے کس پیمبر کو خطاب
کون محبوبِ الٰہی ہے سوائے مصطفیٰؐ

آدمی کیا؟ مدح کر سکتے نہیں جن و ملک
حق تعالیٰ آپ کرتا ہے ثنائے مصطفیٰؐ

آسمان پر لوگ کہتے ہیں جنہیں شمس و قمر
زیب ہیں کہیے کہ ہیں یہ نقشِ پائے مصطفیٰؐ

ہوتی ہے حسرت یہی، کیوں دل نہ یہ میرا ہُوا
دیکھتا ہوں جب میں وہبیؔ نقشِ پائے مصطفیٰؐ

جناب شیو پرشاد صاحب وہبیؔ لکھنوی

صورت بھی حسیں آپؐ کی سیرت بھی حسیں ہے

خم جس کی فضیلت پہ دو عالم کی جبیں ہے
سجدہ گہِ کونین وہ طیبہ کی زمیں ہے

دنیا کا عقیدہ بھی ہے اپنا بھی یقیں ہے
جو شے ہے مدینہ میں کہیں اور نہیں ہے

اُن سا کوئی اللہ کا محبوب نہیں ہے
صورت بھی حسیں آپؐ کی سیرت بھی حسیں ہے

یہ ارضِ مقدس ہے۔ یہ طیبہ کی زمیں ہے
جنت بھی یہیں ساکنِ جنت بھی یہیں ہے

اے خاکِ مدینہ! تیرے اعجاز کے صدقے
ہے عرش نشیں جو بھی یہاں فرش نشیں ہے

اللہ کے دیدار سے وہ محروم رہے گا
دیدارِ نبیؐ کا جسے ارمان نہیں ہے

اُس نور کی تمثیل نہیں کوئی جہاں میں
جو نورِ یقیں روضۂ اقدس کے قریں ہے

جس نے نہ کیا۔ گنبدِ خضریٰ کا نظارہ
وہ آنکھ حقیقت میں کوئی آنکھ نہیں ہے

جوہرؔ کوئی عالم ہو، ازل ہو کہ ابد ہو
ہر حال میں دل سرورِ عالمؐ کے قریں ہو

جناب چندر پرکاش صاحب جوہرؔ بجنوری

میرے حال پر فضلِ مولیٰ ہوا ہے

محمدؐ پہ دل اپنا شیدا ہوا ہے
ستارہ نصیبے کا چمکا ہوا ہے

مزا اس کو آتا ہے عشقِ نبیؐ کا
وہ جس کی نظر میں سمایا ہوا ہے

نہ ہے آپ کا کوئی ہمسر نہ ہوگا
یہ دیکھا ہوا ہے یہ سمجھا ہوا ہے

خداوندِ عالم ہے جس طرح واحد
حبیبِؐ خدا بھی تو یکتا ہوا ہے

احد اور احمدؐ میں ہے فرق اتنا
یہ بندہ ہوا ہے وہ مولیٰ ہوا ہے

مجھے کوئی کافر کہے یا مسلمان
کہے جس کے جو جی میں آیا ہوا ہے

موحد ہوں عارف ہوں صوفی ہوں لکا
میرے حال پر فضلِ مولیٰ ہوا ہے

فقط نعت گوئی سے اے شادؔ تجھ کو
یہ عزت ملی ہے۔ یہ رتبہ ہوا ہے

جناب مہاراجہ سر کشن پرشاد صاحب شادؔ وزیر اعظم حیدر آباد دکن

587

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اغیار کی نظر میں

مرتبہ

بشیر احمد سیّد

ناشر

کتاب مرکز ○ بازار فاروق گنج، گوجرانوالہ